بانی
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

مدیر اعلیٰ
مولانا عبید اللہ انور
امیر انجمن خدام الدین لاہور



ہفت روزہ
لاہور
پاکستان


# خدام الدین


ایڈیٹر : مجاہد الحسینی


## انا انزلناہ فی لیلۃ القدر

وما ادرٰک ما لیلۃ القدر

لیلۃ القدر خیر من الف شہر

ترجمہ : تحقیق نازل کیا ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں اور کیا جانے تو کیا ہے رات قدر کی بہتر ہے ہزار مہینے سے (قرآن حکیم)





مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان
شیرانوالہ دروازہ لاہور — فون نمبر: ۶۰۵۴۵

۱۴ ستمبر ۱۹۷۳ء
۱۵ شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ

# احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

## دُعا

اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا ہے ان میں سب سے بڑا کمال و امتیاز عبدیت کاملہ کا مقام ہے۔

عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالٰی کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی و سرافگندگی، عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار اور یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے اس کے در کی فقیری و گدائی ـــــــــ اس سب کے مجموعہ کا عنوان "مقام عبدیت" ہے جو مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلاشبہ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالٰی کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں اور اسی لیے افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے مثلاً گھوڑا جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی سواری اور تیز رفتاری اس کو بڑھیا یا گھٹیا اسی مقصد کے پیمانے سے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گائے یا بھینس کا جو مقصد ہے۔ یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر و قیمت دودھ کی کمی یا زیادتی ہی کے حساب سے لگائی جائے گی۔ اسی طرح دوسروں کا بھی اندازہ کیا جائے گا کہ وہ اپنے مقصدِ وجود کو کس حد تک پورا کر رہے ہیں۔

انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتایا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اس لیے سب سے اشرف و افضل انسان وہی ہوگا جو اس مقصد میں سب سے اکمل و فائق ہو پس سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کمال عبدیت میں سب سے فائق ہیں۔ اس لیے آپ افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ کے بلند ترین خصائص و کمالات اور اللہ تعالٰی کے آپ پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپ کو عبد ہی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ اسراء میں فرمایا گیا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ پھر اس سفر معراج کی آخری منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ النجم میں فرمایا گیا" فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ اور سب سے بڑی نعمت دولت قرآن حکیم کے نازل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا گیا۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ اور سورہ کہف میں ارشاد فرمایا گیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کے امام یعنی اس وصفِ خاص میں سب سے بلند اور سب پر فائق ہیں۔ اور دعا چونکہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے۔ اللہ تعالٰی سے دعا کرتے وقت (بشرطیکہ تحقیقی دعا ہو) بندے کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دعا کا ہے۔ اور امت کو آپ کے ذریعہ روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں ان میں سب سے بیش قیمت خزانہ ان دعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالٰی سے خود آپ نے کیں یا امت کو ان کی تلقین فرمائی۔ ان میں سے کچھ دعائیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد و حاجات سے ہے۔ اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دعاؤں کی قدر و قیمت اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ ان سے دعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی۔ اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو اللہ تعالٰی سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی۔ اور آپ کے قلب پر اس کا جلال و جمال کس قدر چھایا ہوا تھا اور اپنی ساری کائنات کی بے بسی و لاچاری اور اس مالک الملک کی قدرت کاملہ اور ہمہ گیر ربوبیت و رحمت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا یہ آپ کے لیے غیب نہیں شہود تھا۔ احادیث کے ذخیرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سینکڑوں دعائیں محفوظ ہیں ان میں اگر تفکر کیا جائے تو قطعی طور پر محسوس ہوگا کہ ان میں سے ہر دعا معرفتِ الٰہی کا شاہکار اور آپ کے کمال روحانی و خدا آشنائی اور اللہ تعالٰی کے ساتھ آپ کے صدق تعلق کا مستقل برہان ہے اور اس لحاظ سے ہر ماثور دعا بجائے خود آپ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم۔

اس تمہید کے بعد پہلے چند وہ حدیثیں پڑھیے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی سے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے اور دعا کی برکتیں بیان فرمائی ہیں یا دعا کے لیے آداب بتائے ہیں یا اس کے بارے میں کچھ ہدایتیں دی ہیں۔ ان کے بعد ایک خاص ترتیب کے ساتھ وہ حدیثیں درج کی جائیں گی جن میں وہ دعائیں مذکور ہیں جو مختلف موقعوں پر آپ نے اللہ تعالٰی کے حضور میں کیں، یا امت کو جن کی تلقین فرمائی۔

### دعا کا مقام اور اس کی عظمت

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَآءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَأَ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دعا عین عبادت ہے"۔ اس کے بعد آپ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی۔ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ ... الخ (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو میں قبول کروں گا اور دوں گا جو لوگ میری عبادت سے منہ موڑ کر تکبر کرتے ہیں ان کو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا)

**تشریح** اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ نے فرمایا "دعا عین عبادت ہے"۔ غالباً مقصود یہ ہے اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے جو اگر قبول ہو گئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور اس کو کوششوں کا پھل مل گیا اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دعا کی ایک خصوصی نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصول مقصد کا ذریعہ ہونے کے علاوہ بذاتِ خود عبادت ہے اور عین عبادت ہے اور اس پہلو سے وہ بندے کا ایسا عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔ جو آیت آپ نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحتہً معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک دعا عین عبادت ہے اور دوسری حدیث میں دعا کو عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔

خدام الدین

۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۷۳ء
۱۵ شعبان سنہ ۱۳۹۳ھ

جلد ۱۹ شمارہ ۱۶


مندرجات




رئیس الادارہ
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور
مدیر
مجاہد الحسینی


# علماءِ کرام کو برہنہ کرنے کا شرمناک سانحہ

## پولیس والو! شرم کرو! اور خدا سے ڈرو!

اس خبر کو معاصر روزنامہ وفاق، اور نوائے وقت لاہور نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے کہ متحدہ محاذ کی شروع کردہ سول نافرمانی کے دوران گرفتار شدہ مولانا شیر محمد کو پولیس نے تھانے میں لے جاکر پہلے ان کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے پھر انہیں ننگا کیا گیا اور بعد ازاں ایک فاحشہ عورت کو برہنہ حالت میں ساتھ بٹھاکے دونوں کی تصویر اتاری گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

یہ شرمناک خبر پڑھ کر ہر شخص کا سر ندامت سے جھک گیا ہے کہ "اسلامیہ جمہوریہ پاکستان" کے صوبائی دارالحکومت کی پولیس نے "اسلامی دستور" کی منظوری کے بعد پہلی مرتبہ شرم وحیا اور شرافت کا جنازہ اٹھایا ہے۔ اور پولیس کے ان ذمہ داروں نے ٹھیک اس موقع پر یہ شرمناک مظاہرہ کیا ہے جب پورا ملک خدا کے عذاب میں مبتلا ہے اور قیامت خیز سیلاب کی وجہ سے ہر طرف تباہی وبربادی اور ہلاکت کا بازار گرم ہے۔

پولیس کا یہ شرمناک سلوک اور باعث صد نفرت کردار انگریزی دور کی تھانیدارانہ ذہنیت اور اس گروہ کی فطرت کا آئینہ دار ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "تھانیدار صاحب بہادر" نے اپنے نمبر بڑھانے اور "دربارِ عالیہ" سے شاباش کا تمغہ لینے کی خاطر اس شرمناک حرکت کا ارتکاب کیا ہو۔

بہرنوع ــــ اس خبر سے پاکستان کے دینی حلقوں اور شریف گھرانوں میں اربابِ اختیار کے خلاف سخت غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔

محکمہ پولیس چونکہ براہِ راست مرکزی وزیر داخلہ "خان عبدالقیوم خاں صاحب بہادر" کے قبضہ وتصرف میں ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان دنوں "خانِ اعظم صاحب" جمعیۃ علماءِ اسلام پر کچھ خاص ہی "مہربان" ہیں۔ اور یہ ان کی کرمفرمائی کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ جمعیت کے ایک شریف اور نیک کارکن کو جو کہ جامع مسجد شیرانوالہ سے متعلق ہے برہنہ کراکے رسوا کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اور اپنے سیاسی اختلاف کا علماءِ کرام سے ذاتی انتقام لیا ہے۔

خان عبدالقیوم خاں کو یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہیئے کہ محکمہ پولیس نے مولوی شیر محمد کو برہنہ نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے پورے محکمہ اور اس کے سربراہ عبدالقیوم خاں کو ننگا کرکے ان کے باطن سے پردہ اٹھا دیا ہے کہ اخلاق وشرافت کے اعتبار سے یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔

خان عبدالقیوم خاں صاحب بہادر! اور محکمہ پولیس والو! وہ دن بھی یاد کرو! جب پاکستان کے سابق صدر محمد ایوب خاں کے دورِ اقتدار میں اسی شیرانوالہ مسجد کے باہر پولیس کے ایک افسر نے لاٹھیاں مار مار کر جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور کے جسم کی ہڈیاں توڑ دی تھیں تو ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ پولیس والوں نے مولانا عبید اللہ انور کے جسم کو نہیں ایوب خاں کے دورِ اقتدار کو لاٹھیوں سے چکنا چور کیا ہے۔ پولیس کے شرمناک کردار کے نتیجہ میں ایوب خاں کو ریڈیو پر پوری قوم کے سامنے معافی مانگنا پڑی۔ اور مولانا عبید اللہ انور کی خدمت میں اپنا خصوصی نمائندہ بھیج کر بصد ادب معذرت چاہی۔ اور ڈی ایس پی مسٹر چیمہ نے پرہجوم عدالت میں حضرت مولانا کے پاؤں پکڑ لیے۔

حضرت شیخ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند نے اپنے والد گرامی کی عظمت اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

---

## سیلاب زدگان کی بھرپور مدد کیجیے

قیامت خیز سیلاب کے باعث ملکی عوام جس قسم کے عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں محتاج بیان نہیں ہزاروں مرد عورتیں اور بچے پانی کی تند و تیز لہروں کی نذر ہو گئے۔ لاکھوں انسانوں کا گھر بار اجڑ گیا۔ بڑے بڑے دیہاتوں کا نام ونشان مٹ گیا فصلیں اور اناج ویران ہو گئے۔ ہر طرف قیامت صغریٰ کا منظر دکھائی دیتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے۔ گویا پورا ملک عذاب الٰہی کی مضبوط گرفت میں ہے ایسے ہولناک حالات میں ہمارا ملی اور اخلاقی فرض ہے کہ (۱) اپنے تمام گناہوں، خطاؤں اور کوتاہیوں سے خلوص نیت کے ساتھ توبہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں اور عذاب سے نجات حاصل ہو جائے۔

(۲) یہ کہ ہم اپنے مصیبت زدہ اور نہایت کسمپرسی کی حالت میں زندگی کے تلخ ایام گزارنے والوں کی ہر ممکن امداد کرکے ان کے لیے راحتیں اور آسائشیں مہیا کریں اور ان کی تکلیفوں اور دکھوں کا مداوا کریں۔

لہٰذا ان تمام مخیر حضرات اور اہل ثروت سے میری پرزور اپیل ہے کہ وہ سیلاب کی ہلاکت خیزی کے باعث اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی دل کھول کر مدد کریں اور خوراک، پوشاک اور دیگر تمام ضروریات زندگی فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

دعاگو

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

امیر انجمن خدام الدین لاہور ــــ امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب

اپنے اسلاف کے شاندار معیار اخلاق کو دوبالا کرتے اور ان کی روایات کو زندہ و تابندہ کرتے ہوئے ایوب خاں کے ساتھ ساتھ اگرچہ ڈی ایس پی مسٹر چیمہ کو بھی معاف کر دیا تھا۔ مگر ایوب خاں کا اسی دن سے زوال شروع ہوگیا اور آخر کار محروم اقتدار ہوگیا۔

آج پھر اسی شیرانوالہ کے ایک نیک شخص اور اور حضرت لاہوریؒ کے ایک خادم کو محکمہ پولیس نے پھر ستایا ہے اور حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ کی روح کو تکلیف پہنچائی ہے۔

ہم خان عبدالقیوم خاں اور محکمہ پولیس کے اُن "تھانیداروں"، کو کچھ کہنا نہیں چاہتے جنہوں نے ایک عالم دین اور نیک انسان کو برہنہ کرنے کا شرمناک اور نہایت گھناؤنے کردار کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ ان کے بارے میں زبانِ خلق وا ہوچکی ہے۔

ہم صرف وزیر اعظم جناب بھٹو اور گورنر پنجاب جناب مصطفیٰ کھر سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ انھیں بھی اس سانحے اور شرمناک ڈرامے کا علم ہوا ہے یا نہیں۔؟ اگر اس کے بارے میں انھیں معلومات فراہم ہوگئی ہیں تو انہوں نے کیا کیا۔؟

مجاہد الحسینی

۵ر ستمبر ۱۹۷۳ء

## ● اِن معلّموں کی پوزیشن کیا ہے؟

مرکزی وزارت حج کی جانب سے اُن معلّموں کی ایک فہرست شائع ہوئی ہے جنہیں حکومتِ پاکستان نے حکومت سعودیہ سے مشاورت کے بعد تسلیم کیا ہے کیونکہ قبل ازیں بعض معلّموں کی شہرت اچھی نہیں تھی حکومت نے اچھی شہرت کے معلّموں کی فہرست شائع کر دی ہے اور عازمین حج کو اختیار دیا ہے کہ وہ ان میں سے جسے چاہیں منتخب کریں۔ لیکن یہ امر حد درجہ افسوسناک ہے کہ بعض ایسے معلّم جن کے نام اس فہرست میں شامل نہیں ہیں وہ پاکستان کے مختلف اخبارات میں اپنے اشتہار شائع کرا کے عازمینِ حج کی توجہ اپنی جانب مبذول کر رہے ہیں۔ وزارتِ اطلاعات کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کیا مرکزی وزیر حج اس کی وضاحت کریں گے۔؟

## ● ضلع ژوب کے گرفتار علماء

معاصر نوائے وقت سے ملا تبصرہ

بستی سے ہمارے ایک معزز قاری نے ہماری توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی ہے کہ ضلع ژوب کے چالیس علماء اور دوسرے مسلمانوں کو محض اس لیے گرفتار کر لیا گیا ہے کہ وہ ختم نبوّت کے داعی تھے ان علماء کی رہائی کے لیے ضلع بھر میں گزشتہ ایک ہفتہ سے ہڑتال جاری ہے ان لوگوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ : ایک مخصوص فرقہ کے لوگوں کو ضلع (باقی صفحہ ۸ پر)

# پاکستان کے جنگی اسیروں کے نام

سیّد نظر زیدی

کتنے ہونٹوں پر دعائیں ہیں تمہارے واسطے
چھا رہا ہے کتنی آنکھوں میں غبارِ تیرگی

کتنی پلکوں پر چمک اُٹھتے ہیں اشکوں کے گہر
کتنے سینوں میں ہے یادوں کی مقدس روشنی

تم نہیں تو جیسے مدّھم ہیں دلوں کی دھڑکنیں
تم نہیں تو جیسے سُونی ہے وطن کی ہر گلی،

---

یہ بھی کچھ ہے مگر یہ بھی صداقت ہے کہ تم
اب بھی پہلے کی طرح ہو روشنی اُمّید کی

تم نے دکھ سہہ کے کیا اپنے وطن کو سرفراز
تم وطن کی آبرو ہو، تم وطن کی زندگی

زندگی نرم و سبک رو ہو تو اک جوئے کم آب
آدمی پُرجوش پُردم ہو تو بحرِ زندگی،

آتشِ نمرود کی حدّت بناتی ہے خلیل،
ورنہ اپنی اصل میں اک واہمہ ہے آدمی،

---

بے خطر کودے ہو تم سب آتشِ نمرود میں
مقتلوں میں تم نے پائی ہے حیاتِ سرمدی

مکر نے گو تُم کو پابندِ سلاسل کر دیا
وقت آئے گا۔ کہ تم پہنو گے تاجِ سروری

کون کر سکتا ہے اُن با مدعا جذبوں کو قید
کب ہوئی ہے آسمانوں کی بلندی میں کمی

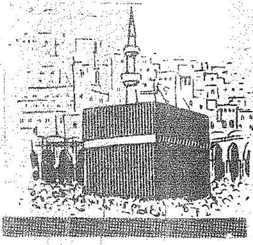
---

بے بسوں پر ظلم کو سمجھا ہے حُسنِ انتظام
دیدنی ہے وقت کے نمرود کی یہ سادگی

ظلم کی یہ آگ ہی کندن بنائے گی ہمیں
ہر جبیں پر پھیل جائے گی بالآخر برہمی

اور پھر اس برہمی کا نام ہوگا انتقام!
برّشِ شمشیر بن جائے گا احساسِ خودی

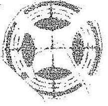
۱۸ ۔ ۹ ۔ ۷۳



افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان الجائر ط

# ظالم حکمران کے سامنے سچی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے

## مظلوم کی حمایت نہ کرنا اور ظالم کے ظلم پر خاموش رہنا بھی صریحاً ظلم ہے



جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم کا خطاب

اجتماع جمعۃ المبارک
۳۱ر اگست ۷۳ء
عبدالرشید انصاری

الحمد للہ وکفی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ : امابعد :

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم :
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :
اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (آل عمران آیت ۳۱)

کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے ۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

اس آیت کریمہ میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان فرما دی گئی ہے کہ رحمۃ للعالمین حضور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع فرمانبرداری ہی دراصل رحمت الٰہی اور فضل خداوندی سے فیضیاب ہونے کا ذریعہ ہے اور اسوۂ نبیؐ کی پیروی میں ہی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا راز مضمر ہے ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"اے مسلمانو! جب تم خدا تعالیٰ کے ساتھ دوستی کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہاری خواہش یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری ویسی ہی امداد کرے جیسی وہ اپنے دوستوں کی کرتا ہے تو میرے طریقے پر چلو ۔ جس طرح میں خدا تعالیٰ کے حکم پر چلنے کے لیے ساری دنیا کی پروا نہیں کرتا تم بھی خدا کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جاؤ ۔ پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ضرور مدد ملے گی ۔"

اس لیے یہ بات شک و شبہ سے بالکل بالاتر ہے اور اس حقیقت سے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو چھوڑ کر اور اپنی خواہشات یا ادیانِ باطلہ کی پیروی سے ملتِ اسلامیہ کبھی مطمئن اور خوشحال نہیں ہو سکتی ۔ اور نہ ہی دنیا میں باوقار مقام حاصل کر سکتی ہے ۔ جس طرح تمام مسلمان اقوام اپنے علاقائی لسانی اور رنگ و نسل کے مختلف ہونے کے باوجود ایک ملت اور ایک امت ہیں اسی طرح تمام غیر مسلم اقوام اپنے علاقائی ، لسانی اور رنگ و نسل کے اختلافات کے ساتھ ساتھ اپنے الگ الگ مذاہب و ادیان کے باوجود ملتِ اسلامیہ کے مقابلہ میں ایک ملت اور ایک امت ہیں ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ الکفر ملۃ واحدۃ (زمانے بھر کا کفر ایک ہی ملت ہے) دنیا میں صرف دو جماعتیں ہیں ۔ ایک رب العالمین کے فرمانبرداروں کی اور ایک نافرمانوں کی ۔

فرمانبرداروں میں آپس کے کتنے ہی اختلافات اور متنازعہ فیہ مسائل کیوں نہ ہوں اور وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہو گئے ہوں ، لیکن وہ بہرحال ایک ہیں ۔ کیونکہ نافرمانوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ان کا نام فرمانبرداروں کی فہرست میں ہی درج ہے اگرچہ ان کا باہم دست و گریباں ہونا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف اور ان کی شان کے منافی ہے ۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ مومنین کفر کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار ہوتے ہیں ۔ لیکن باہم ایک دوسرے کے لیے نہایت مہربان اور رقیق القلب ہوتے ہیں ۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ۔

نافرمان اور ادیانِ باطلہ کے پیرو خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں ، سکھ ، یہودی ، ہندو ، مرزائی ، عیسائی اور بدھ یا کمیونسٹ اور لامذہب ہی کیوں نہ ہوں اور ان میں تہذیب و ثقافت اور لسانی و جغرافیائی اختلافات نے بعد المشرقین کیوں نہ پیدا کر دیا ہو ہمارے سامنے وہ پھر بھی ایک ہی ہیں ۔ ان میں ایک قدر مشترک موجود ہے اور وہ ہے :

"رب العالمین کی حاکمیت کبریٰ کا انکار"

یہ ہے وہ حد فاصل جو انسانی برادری کو دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے اور ازل سے انہی دو گروہوں میں مختلف محاذوں پر ٹھنی رہی ہے اور تا قیام قیامت رہے گی ۔

اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے نافرمانوں کے ظلم اور جور و ستم کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما اور عدل و انصاف کی بالادستی قائم کرنے کے لیے مصروف جد و جہد رہے ہیں ۔ ان کا ہر عمل محبت الٰہی سے آراستہ ہو کر ظہور پذیر ہوتا ہے ۔ ان کا خدا تعالیٰ کو ماننا یہ ہے کہ وہ اس کے حکموں کو مانتے ہیں اور نافرمانوں کا نہ ماننا یہ ہے کہ ان میں سے اکثر خدا تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس کے حکموں کو نہیں مانتے اور تسلیم کرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی بات مان لی جائے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ماننے کا دعوےٰ کرنے والے کی نیت میں کھوٹ اور نفاق ہے ۔

آج ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں ۔ اس میں لائق توجہ بات یہی ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کو ماننے کا دعوےٰ کرتے ہیں ۔ اور مسلمان کہلاتے ہیں تو کیا رب العالمین کے احکام و فرائض پر عمل بھی کرتے ہیں ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا وہ حکم موجود ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کروایا گیا کہ دنیا والوں کو بتا دیجئے کہ :

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ۔
اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو ۔"

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا کہ الکفر ملۃ واحدۃ ۔ سارا کفر ایک ہی ملت ہے ۔ خواہ وہ کسی وقت ، کسی علاقے اور کسی قبیلے کا ہو ۔ اور مسلمان سب سے الگ ایک امت ہیں ۔ اس لیے اسلام اور کفر ، حق اور باطل ، انصاف اور ظلم کے درمیان جب بھی کہیں جنگ ہو گی تو ہر مسلمان اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے جذبہ سے سرشار ہو کر جغرافیائی ، لسانی اور تہذیب و تمدن کے رشتوں کی پروا کیے بغیر بلکہ خونی رشتوں کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے ہر محاذ پر سینہ سپر ہو جائے گا ۔ اسلام ہر مسلمان کو اعلائے کلمۃ الحق اور جہاد کا حکم دیتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

اَفْضَلُ الْجِہَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانِ الْجَائِرِ ۔ ظالم حکمران کے سامنے سچی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے ۔

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں

نا انصافی اور ظلم وستم کی حکمرانی قائم ہو چکی ہے۔ پاکستان جیسا نظریاتی ملک جس کے قیام کے لیے برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا خون بہایا تھا ہزاروں عصمتیں اس قربان گاہ پر بھینٹ چڑھیں اور جس کے لیے کروڑوں مسلمانوں نے اپنے گھر بار اور وطن کو خیر باد کہہ کر غربت و لاچارگی خندہ پیشانیوں سے قبول کی تھی۔ آج اسی مملکت کے حکمرانوں نے بے گناہ عوام پر مہنگائی اور بھوک کے پہاڑ توڑ دیے ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں آج تک جتنے لوگ بھی برسر اقتدار آئے انہوں نے جمہوریت، اسلام، ملک اور عوام کے نام پر اپنی تمام بدکرداریوں کا جواز پیش کیا اور اسی طرح موجودہ برسر اقتدار پارٹی نے الیکشن کے دنوں میں عوام سے کہا تھا کہ اگر ہم برسر اقتدار آئے تو ملک میں صاف ستھری جمہوریت قائم کریں گے۔ ہماری حکومت مزدوروں کی حکومت ہوگی، غریبوں کی حکومت ہوگی۔ لیکن آج اسی پارٹی نے عوامی حقوق غصب کر لیے ہیں۔ مخالف لیڈروں کو جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ سیاسی کارکنوں، طلبہ اور مزدوروں پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ انصاف کے لیے بلند ہونے والی ہر آواز کو بزور طاقت دبایا جا رہا ہے۔ عوام ایک طرف ہیں اور حکومت دوسری طرف، حکمران طبقہ کی مسلسل زیادتیوں اور نا انصافیوں نے ان کے اور عوام کے درمیان نفرت کی دیوار قائم کر دی ہے۔ ریڈیو ٹیلیویژن، پریس ٹرسٹ کے اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ مخالف لیڈر عوام کی مخالفت کر رہے ہیں، عوامی حکومت کو پریشان کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمیں عوام نے منتخب کیا۔ یہ جھوٹا اور یک طرفہ شور زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ اگر ذرائع ابلاغ برسر اقتدار گروہ کے قبضہ میں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف وزیر اعظم اور ان کے چند شریک اقتدار ساتھیوں کو عوام مان لیا جائے اور ان کے ظلم وستم کی چکی میں عوام کے پسنے کا تماشہ سیاسی جماعتیں خاموشی سے دیکھتی رہیں۔ اگر ملک کی کوئی سیاسی جماعت ایسا گھناؤنا کردار ادا کرے گی تو اسے بھی حکمرانوں کے ظلم میں برابر کی شریک سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ظلم کو ظلم نہ کہنا اور مظلوم کی حمایت نہ کرنا بھی ظلم ہے۔ اس لیے آج تمام سیاسی جماعتوں اور عوام کا فرض ہے کہ وہ آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں یہ ہم سب کا ملکی، ملی اور دینی فریضہ ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ تمام اپوزیشن پارٹیوں کے متفقہ جمہوری مطالبات تسلیم کرے کیونکہ یہ مطالبات انہی عوام کے حقوق سے متعلق ہیں۔ جس نے موجودہ پارٹی کو اقتدار کا حق دیا ہے۔ عوام کی آواز دبانے کے لیے دفعہ ۱۴۴ کا بے دریغ استعمال کرنے والی حکومت کو یہ دعوے کرنے کا حق نہیں پہنچتا کہ عوام اس کے ساتھ ہیں۔

یہ حکومت کی زیادتیاں اور نا انصافیاں ہی تو تھیں جن کی وجہ سے آگ اور پانی بھی اکٹھے ہو گئے۔ جماعت اسلامی، نیشنل عوامی پارٹی اور مسلم لیگ جیسی مختلف نظریات رکھنے والی جماعتیں متحد ہو گئیں۔ اب حکمران پارٹی کہتی ہے کہ یہ لوگ ہمیں اقتدار سے ہٹانے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ہمیں عوام نے منتخب کیا ہے لیکن حکمران پارٹی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کہ بلوچستان اور سرحد کے عوام نے جن پارٹیوں کو منتخب کیا تھا ان کو تم نے کیوں ہٹایا۔ کیا وہ غیر نمائندہ لوگ تھے۔ اگر یہ بات سچی ہے تو تم نے تقریباً ایک سال تک انہیں دونوں صوبوں کی حکومتیں کیوں سونپے رکھیں؟ اور اگر یہ ان کا حق تھا تو ایک سال کے بعد تم نے ان کا یہ حق چھینا کیوں ہے؟ جس طرح پنجاب اور سندھ کی اکثریت نے پانچ سال کے لیے پیپلز پارٹی کو ووٹ دیے تھے اسی طرح سرحد اور بلوچستان کے عوام نے نیپ اور جمعیۃ کو بھی پانچ سال کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ نہیں کہ ایک سال کے لیے ان دو پارٹیوں کو ووٹ دیے ہوں اور باقی چار برس کے لیے نواب اکبر بگٹی اور اسلم خٹک پارٹیوں کو منتخب کیا ہو۔ ان لوگوں کی کوئی پارٹی اور کوئی جماعت نہیں ہے جسے عوام نے چنا ہو، ان غیر نمائندہ لوگوں کو عوام پر جبراً مسلط کرنا اور اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے والی زبانوں پر دفعہ ۱۴۴ کے پہرے بٹھا دینا کیا یہ جمہوریت ہے؟ کیا اسے عوامی راج کہتے ہیں؟ یہ کون سی ڈیماکریسی اور کون سا انصاف ہے؟

اللہ تعالےٰ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم مظلوموں کی حمایت کریں۔ رشوت، چور بازاری، بلیک میلنگ، غنڈہ گردی اور سرمایہ دار حکمرانوں کی استحصالی سازشوں سے عوام کو نجات دلانا اور ان کے دکھ درد کے ازالہ کی کوشش کرنا کارِ ثواب، افضل جہاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ حسنہ کا اتباع ہے۔

اللہ تعالےٰ پاکستان کو مصائب و آفات سے محفوظ رکھے، عوام کو نیکی کی توفیق دے اور اچھے حاکم عطا فرمائے۔ آمین!

★

# حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

حبیب اللہ خان، شاد باغ لاہور

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی پاک اور پیاری زندگی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ۱۷۰۳ء میں سرزمین دہلی سے اٹھے اور ۱۷۶۳ء میں پھر یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

**باپ کا نام** آپ کے باپ کا نام حضرت مولانا عبدالرحیم تھا۔ آپ کے والد اورنگ زیب عالمگیر شاہِ ہند کے دورِ بہاریں میں ایک عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ قدرت نے دولتِ علم و عمل سے نوازا تھا۔ اس لیے عوام میں نہایت قدر کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

**تعلیم** گھر میں علم و عمل کے چراغ روشن تھے۔ آپ نے علم و عمل کی روشنی میں آنکھ کھولی اور پندرہ سال کی ننھی سی عمر میں دولتِ قرآن و حدیث سے مالا مال اپنے والد بزرگوار کی مسندِ تدریس پر جا بیٹھے۔ مگر علم کی تشنگی نے چین نہ لینے دیا۔ آپ حج کو تشریف لے گئے۔ قرآن و حدیث پر گہرا غور و فکر کیا اور ان میں بلند پایہ ڈگریوں کے ساتھ دہلی لوٹے۔

شاہ دہلی ۱۷۰۳ء میں اس دنیا میں آئے۔ اور شاہ ہند عالمگیر ۱۷۰۷ء میں اس دنیا سے چل بسے۔ زمانے نے دیکھا کہ زمانہ کبھی بھی اللہ والوں سے خالی نہیں رہتا۔ ایک آتا ہے اور دوسرا چلا جاتا ہے اور جب تک یہ سلسلہ قائم ہے دنیا قائم ہے اور جب یہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا تو نظام عالم بھی جاتا رہے گا۔

**مقصدِ حیات** دنیا میں ہر بڑا انسان ایک مشن لے کر آتا ہے اور جب وہ مشن پورا ہو جاتا ہے وہ دنیا سے سفر کر جاتا ہے۔ آپ بھی ایک بڑا مقصد لے کر دنیا میں آئے تھے اور وہ تھا "قیام عظمت قرآن"

قیام عظمتِ قرآن کے سلسلہ میں آپ نے دو بڑے کام انجام دیے:۔

۱۔ اشاعتِ قرآن ۲۔ انقلاب قرآن۔

اشاعت کے سلسلہ میں آپ نے عوام کی ضرورتوں کو پرکھا۔ اور قرآن پاک کا ترجمہ فارسی میں کیا جو اس زمانہ میں ہندوستان میں بولی اور

باقی صفحہ ۲۰

ہمارے برصغیر میں بھی پہلے دو واقعات کے بعد فرنگی دشمنی دہشت پسندی کی تحریک میں شدت اور تنظیم پیدا ہوئی اور اسی زمانے میں تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے رفقائے کار کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اور حضرت مولانا احمد علی صاحب (شیرانوالہ دروازہ لاہور والے) شیخ الہند کے معتمد کارکن اور سپاہی تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی صاحب شیخ الہند کے حکم کی تعمیل میں کابل میں تشریف فرما تھے

# مولانا عبیداللہ سندھی۔ سامراج دشمن مردِ مسلمان

## انیس ہاشمی

اس صدی کی پہلی دہائی میں ایک واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے محکوم ایشیا میں خاصی حرارت پیدا ہوئی۔ واقعہ یہ تھا کہ مشرق بعید میں دو سرمایہ دار سامراجی ممالک میں جنگ ہو گئی اور اس جنگ میں ایشیائی سرمایہ دار ملک (جاپان) نے یورپی سامراجی ملک (روس) پر فتح حاصل کر لی۔ ایشیائی سرمایہ دار ملک کی اس فتح نے ایشیائی عوام پر سے وہ رعب اور دبدبہ کم کر دیا جو سارے محکوم ایشیائی ملکوں کی جمہور کے دلوں میں یورپی سفید فام قوموں کا بیٹھا ہوا تھا۔ اس دہائی کا دوسرا اہم واقعہ روس کا ۱۹۰۵ء کا ناکام انقلاب تھا۔ اس ناکام انقلاب نے بھی ایشیائی ملکوں کی جمہور میں خاصی حرارت پیدا کی۔ ان دونوں واقعات نے ساری ایشیائی اور افریقی اقوام کے دلوں میں آزادی کی جوت جگائی اور یورپ کی محکوم ایشیائی اور افریقی قوموں میں قومی آزادی کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ جس میں ۱۹۱۷ء کے سویت روس کے انقلاب کے بعد خاصی شدت پیدا ہو گئی۔

ہمارے برصغیر میں بھی پہلے دو واقعات کے بعد فرنگی دشمن دہشت پسندی کی تحریک میں شدت اور تنظیم پیدا ہوئی اور اسی زمانے میں تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اور ان کے رفقاءِ کار کی گرفتاریاں عمل میں آئیں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب شیرانوالہ دروازہ لاہور والے، شیخ الہندؒ کے معتمد کارکن اور سپاہی تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی صاحب شیخ الہند کے حکم کی تعمیل میں کابل میں تشریف فرما تھے۔ اور شیخ کے حکم کے مطابق اپنی تحریک کے لیے (جس کا مقصد ہندوستان کو فرنگی کی غلامی سے آزاد کرانا تھا اور ہندوستان میں ری پبلک حکومت کا قیام تھا) امیر افغانستان کی حمایت حاصل کرنا ان کا مقصد تھا۔ اپنے اس غرض کی انجام دہی کے سلسلہ میں مولانا امیر حبیب اللہ والیٔ افغانستان سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ امیر سے ملاقات کے سلسلہ میں مولانا کو بادل ناخواستہ ایک شرط بھی قبول کرنا پڑی وہ یہ شرط تھی۔ کہ مولانا کو امیر کے حضور میں ترکش کوٹ اور پتلون پہن کر حاضر ہونا پڑے گا۔ روایت یہ ہے۔ کہ امیر حبیب اللہ نے مولانا سے یہ فرمایا کہ "صاحب آپ افغانستان کے قیام کے دوران ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہند کی آزادی کے لیے زمین تو ہموار کر سکتے ہیں۔ مگر کسی پان اسلامزم قسم کی تحریک کو حکومت افغانستان ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے"۔ اپنے ان بزرگوں کی اس تحریک کے سلسلہ میں یہ بھی سماعت فرما لیجئے کہ ان بزرگوں نے افغانستان میں آزاد ہندوستان کی ایک عارضی حکومت بھی بنا لی تھی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ تھے اور مولانا برکت اللہ صاحب بھوپالی مرحوم اور مولانا عبیداللہ سندھی صاحب مرحوم اس کابینہ کے وزیر تھے۔

فرنگی حکومت نے اس تحریک کو سختی سے دبا دیا۔ اور مولانا اپنے مشن میں ناکامی کے بعد روس چلے گئے جہاں ۱۹۱۷ء کا سویت انقلاب ہو چکا تھا اور انسانی تحریک میں پہلی مرتبہ دنیا کے ایک ملک میں محنت کش عوام (مزدوروں، کسانوں وغیرہ) کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ جس کی قیادت لینن کر رہے تھے۔ مولانا نے وہاں چند ماہ قیام فرمایا۔ اور اس کے بعد ترکی تشریف لے گئے

ایک دن مولانا عبیداللہ سندھی جامع مسجد دہلی میں ننگے سر نماز ادا کر کے باہر نکلے۔ تو کسی بزرگ نے اعتراض کیا۔ "صاحب آپ کے سر سے ٹوپی غائب ہے"۔ مولانا نے ان کے جواب میں دہلی کے لال قلعے پر لہراتے ہوئے یونین جیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "میری ٹوپی تو اس دن اتر گئی تھی جس دن لال قلعے پر فرنگی جھنڈا لہرا دیا گیا تھا۔"

جہاں مصطفیٰ کمال کی راہ نمائی میں قومی ترک حکومت قائم ہو چکی تھی۔ وہاں سے مولانا مکہ معظمہ تشریف لے گئے جہاں دولت عثمانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد پہلے شریف مکہ اور بعد میں ابن سعود کے خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ مولانا نے اپنی جلاوطنی کا بقیہ زمانہ سرزمین عرب پر ہی گزارا تا آنکہ برصغیر ہند میں ۱۹۳۷ء کے بعد کے زمانہ میں ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے سات صوبوں میں انڈین نیشنل کانگرس کی حکومت قائم ہوئی اور ان سات صوبائی حکومتوں کے ایما پر برطانوی حکومت نے مجبور ہو کر مولانا کے جلاوطنی کے احکامات منسوخ کئے اور مولانا غالباً ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔

اپنے وطن واپس آ کر مولانا اپنے مشفق استاد کی قائم کردہ تنظیم جمعیت العلمائے ہند سے منسلک ہو گئے اور سارے ملک کا دورہ کرتے رہے۔ بعد میں مولانا نے ایک علیحدہ تنظیم قائم کرنے کا اعلان فرمایا اس نئی تنظیم کے لیے باشعور کارکن تیار کرنے کے لیے مولانا مرحوم نے دلی میں قیام کرنے کا فیصلہ فرمایا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی میں اپنے اس مشن کا آغاز کیا اپنے اسی نیک کام میں مولانا ہمہ تن مشغول رہتے تھے۔ تا آنکہ آپ ۱۹۴۴ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

برصغیر جنوبی ایشیا میں علمائے کرام کا ایک گروپ شاہ ولی اللہ کے افکار سے متاثر تھا یہ گروپ مختلف زمانوں میں اپنے مخصوص انداز سے سامراج دشمن تحریک میں پیش پیش رہا ان بزرگوں کے بعض خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ایک خوبی جو ان بزرگوں میں تھی وہ تھی ان کی سامراج دشمنی اور اپنی اس صفت کی وجہ سے یہ حضرات اکثر و بیشتر صراط مستقیم پر رہتے تھے ہمارے ایک مشفق بزرگ اور استاد ڈاکٹر کنور محمد اشرف مرحوم (ڈاکٹر صاحب کا مزار برلن میں ہے آپ وہاں پر درس دینے گئے تھے اور وہاں دل کا دورہ پڑنے کے سبب انتقال فرما گئے) کہا کرتے تھے کہ صنعتی انقلاب نے موجودہ دنیا میں متعدد قوموں (انگریز، جرمن، فرانسیسی ولندیزی وغیرہ) کو جنم دیا۔ صنعتی انقلاب اور سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سامراج نے بھی ایک قوم کو جنم دیا ہے اور یہ قوم ہے سامراج دشمن قوم اور یہ قوم جبرالٹر اور مالٹا سے لے کر انڈونیشیا تک آباد ہے اور اس قوم میں مختلف قومیں، مختلف طبقے، مختلف طرز فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔

۱۹۱۷ء میں جب سوویت روس میں سوشلسٹ انقلاب ہوا تو یہ سارا ملک بھی سامراج دشمن برادری میں شامل ہو گیا یہی وجہ تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں کی ایک جماعت جو سامراج دشمنی سے متاثر ہو کر ہجرت کر گئی تھی۔ ان حضرات میں سے اکثر سوویت روس گئے جن میں کامریڈ فیروز الدین منصور مرحوم، فضل الٰہی قربان، مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم، مولانا برکت اللہ بھوپالی مرحوم، آنجہانی راجہ مہندر پرتاپ وغیرہ شامل تھے۔

ہم کو بھی مولانا کے حضور میں چند بار حاضر ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ ہم کو مولانا کے بہت سے الجھے ہوئے خیالات سے اتفاق نہیں ہے مگر مولانا کی راست گوئی، سامراج دشمنی اور سادگی ہمارے لیے مشعل راہ رہی ہے مولانا کی سامراج دشمنی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن مولانا دلی کی جامع مسجد سے نماز جمعہ ادا فرما کر باہر آ رہے تھے ان کے سر پر ٹوپی نہ تھی ایک بزرگ نے مولانا پر اعتراض جڑ دیا کہ صاحب آپ کے سر سے ٹوپی غائب ہے مولانا نے ان صاحب کے جواب میں دلی کے لال قلعہ پر لہراتے ہوئے یونین ۲۲

# اسلام کا اجتماعی انقلابی فکر

محمد مقبول عالم (بی اے) لاہور

اسلام تمام قوموں کے اندر امن اور انصاف قائم کرنے اور انسانیت کو ہر طرح کے ظلم اور لوٹ کھسوٹ سے بچانے کی ایک عالمگیر انقلابی تحریک ہے اس انقلاب کی بنیاد قرآن حکیم کی سچائی اور انصاف والے فکر پر ہے یہ انقلاب ہر جھوٹے اور ظالم نظام کے خلاف ہے اور انہیں ختم کرنا اس کا فرض ہے یہ کام تبلیغ و اشاعت سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خاطر جہاد و قتال بھی کرنا پڑتا ہے اس کی شہادت مندرجہ ذیل آیت سے ملتی ہے۔

ھُوَ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ ولو کرہ المشرکون ۝ (سورۃ توبہ ۹ آیت ۶۱)

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ شرک کرنے والے لوگ اسے کتنا بھی ناپسند کیوں نہ کریں۔

شرک کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہدایت اور سچائی والے دین اور نظام کے علاوہ دوسرے ظالمانہ نظاموں کو اپنے ذاتی فائدوں کی خاطر پسند کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے نظام کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن مسلمان کا فرض ہے کہ ان کی ناپسندیدگی کی پرواہ نہ کرے اور انسانیت کی بھلائی کی خاطر اسلامی نظام کو پوری طاقت کے ساتھ غالب کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کوششوں سے جو انقلابی جماعت تیار ہوئی وہ سب سے پہلے عرب پر غالب آئی۔ پھر اس نے رومی اور ایرانی علاقوں کو فتح کیا اور ان علاقوں کے ظالمانہ نظاموں کو ختم کیا۔ اس طرح یہ جماعت بین الاقوامی طاقت کی مالک بن گئی یہ اس جماعت کے پہلے پچاس برس کی روداد ہے اسے تاریخ اسلام کا نمونے کا دور (خیر القرون) کہا جاتا ہے۔ آئندہ اسلام کے نام پر انقلاب لانے والے تمام لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس دور کی تاریخ اور اس کے فلسفے کو پوری طرح سمجھیں اور اسے اپنے لیے نمونہ بنائیں۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء / ۱۷۶۲ء) وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس دور کی تاریخ لکھی اور اس دور کا فلسفہ مرتب کیا۔ گویا یہ فلسفہ قرآن حکیم اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ترجمانی پر مبنی ہے۔ جو تاریخ اسلام کے نمونے کے دور میں سمجھی اور عمل میں لائی گئی۔ اس پر چل کر ہم آج انقلاب پیدا کر سکتے ہیں اور انسانیت کا دامن امن و سلامتی اور عدل و انصاف سے بھر سکتے ہیں۔

آج سرمایہ داری کی لعنت پھیلی ہوئی ہے اس کے مقابلے میں سوشلزم اور کمیونزم نے جو حل پیش کیا ہے اس کی بنیاد لادینی فلسفے پر ہے یہ سب نظام انسانیت کو اقتصادی اور روحانی پہلوؤں سے برباد کر رہے ہیں۔ ان حالات میں صرف اسلام کا فلسفہ ہی نجات کا ذریعہ ہے جسے دور حاضر میں امام ولی اللہ دہلویؒ نے پیش کیا ہے اس میں ہمارے معاشی اور معاشرتی مسئلے سوشلزم اور کمیونزم سے بہتر طور پر حل ہو جاتے ہیں اور دین و روحانیت کا انکار بھی کرنا نہیں پڑتا۔ یہ فلسفہ اسلام کو سرمایہ داری اور سوشلزم کے مقابلے میں ایک تیسرے مسلک فکر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور ان دونوں ظالمانہ فلسفوں پر غالب آنے کی پوری استعداد اور صلاحیت رکھتا ہے آج کا دور حکمت و سائنس کا دور ہے اس دور میں اسلام کو غالب کرنے اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے یہ فلسفہ پوری رہنمائی کرتا ہے مغرب کے اثر سے آج دنیا علمی رنگ میں سوچنے اور سمجھنے کی عادی ہو چکی ہے اور وہ دین اور اس کے اجزاء کو بھی علمی رنگ میں سمجھنا چاہتی ہے اسے اس فلسفے کے سوا کسی اور طریق سے سمجھایا نہیں جا سکتا۔ اور نہ مغرب کے فکر و فلسفے کو اس کے سوا کسی اور طاقت سے توڑا جا سکتا ہے اس فلسفے کا فائدہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام اقوام ایک مشترک پروگرام پر جمع ہو سکتی ہیں اور اسلام کو قبول کر سکتی ہیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے اس فلسفے کے خصوصی مطالعے میں اپنی پوری عمر صرف کی اور اسے دوسرے فلسفوں کے مقابلے میں نہایت اطمینان بخش پایا۔ آپ اس فلسفے کی نشر و اشاعت اور اس پر معاشرہ اور مملکت کا نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں پچیس برس کی جلاوطنی کے بعد واپس وطن اسی لیے تشریف لائے تاکہ نوجوانوں کو اس فلسفے سے روشناس کرائیں۔ اور وہ اسے بنیاد بنا کر اسلامی نظام پیدا کر کے اس کا نمونہ دنیا کو دکھائیں۔ اور اس طرح اسلام کو غالب کریں۔

آپ نے اور کوششوں کے علاوہ ولی اللہ سوسائٹی لاہور قائم کی جسے اپنا جانشین بنایا۔ اس سوسائٹی کا پروگرام حسب ذیل ہے۔

(۱) امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ اسلامی فلسفے کی اشاعت و تبلیغ کرنا۔

(۲) اس فلسفے کی اشاعت کے لیے اشاعتی ادارے قائم کرنا۔

(۳) اس فلسفے کی تعلیم کے لیے درسگاہیں قائم کرنا۔

(۴) اس تعلیم و تربیت سے ایسے نوجوان تیار کرنا جو اس فلسفے کی بنیاد پر نمونے کا معاشرہ اور نظام مملکت قائم کریں۔

یہ سوسائٹی ایک غیر سیاسی اور غیر فرقہ وارانہ ادارہ ہے اور اس کے سامنے صرف اپنے اشاعتی، تعلیمی اور تربیتی پروگرام کی تکمیل ہے۔ اس لیے یہ سوسائٹی فرقہ بندی اور سیاسی دھڑے بازی سے علیحدہ رہے گی بلکہ کوشش کرے گی۔ کہ مسلمانوں کا اختلاف و افتراق دور کیا جائے اور سب ایک فکر پر متحد ہو جائیں۔

ولی اللہ سوسائٹی پاکستان لاہور اس فلسفے کی طرف پاکستانی نوجوانوں کو متوجہ کرتی ہے اور یقین دلاتی ہے کہ وہ اسے ہر لحاظ سے قابل اطمینان پائیں گے اور اس کے ذریعے سے انتشار فکر سے نجات پا لیں گے جس میں وہ اس وقت مبتلا ہیں۔ اور ان کے دماغوں سے وہ احساس کمتری بھی دور ہو جائے گا۔ جو مغرب کے فلسفہ معاشیات و سیاسیات سے پیدا ہو رہا ہے۔

آخر میں امام ولی اللہ دہلویؒ کا ایک انقلابی اعلان پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "اجتماعیت پسند لوگوں پر لازم ہے کہ وہ حق کی اشاعت کرنے اور اسے نافذ کرنے اور باطل کا زور توڑنے اور اس کا نفاذ روکنے میں اپنی پوری کوشش لگا دیں۔ لیکن اکثر یہ کام ممکن نہیں ہو پاتے جب تک ان کے لیے پورے زور سے نشر و اشاعت نہ کی جائے اور ان کی خاطر جہاد و قتال نہ کیا جائے اس لیے یہ سب کام نیکی کے بہترین اعمال شمار ہوتے ہیں۔"

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص۵۰)

---

## بقیہ: شذرہ

ضلع میں نہ رہنے دیا جائے۔ تحریف شدہ قرآن مجید کے نسخوں کو ضبط کیا جائے نیز قید کیے جانے والوں کو بلا تاخیر رہا کیا جائے۔

ختم نبوت پاکستان کے سواد اعظم کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے۔ صاف ظاہر ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سواد اعظم کے اس عقیدہ کی تبلیغ پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اگر اس ملک میں عیسائی مشنریوں اور کسی مخصوص فرقہ کو تبلیغ و اشاعت کا پورا پورا حق حاصل ہے تو پھر اس ملک میں بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟ اپنے عقاید کی تبلیغ اور منافرت پھیلانے میں بڑا فرق ہے اس لیے اگر علماء کو محض ختم نبوت کی تبلیغ پر یہ سزا دی گئی ہے تو اسے کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا —— پھر یہ کوئی علاقائی مسئلہ نہیں مسلمانوں کو متحد کرنے والی قوت —— اسلام —— کا ایک اہم جز ہے۔ ژوب کے لوگوں نے ہڑتال کر کے علماء کی تائید و حمایت کر دی ہے اس لیے حکومت کو اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے ۔

# حضرت زبیرؓ

## کفارِ عرب آپکو دیکھ کر لرزہ براندام ہوجاتے تھے

ایک دفعہ مکے میں کسی نے مشہور کر دیا کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت زبیرؓ جذبہ جانثاری سے اس قدر بے قرار ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار فضا میں لہراتے آستانۂ اقدس پر پہنچے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انتہائی غضب میں دیکھا تو پوچھا کہ "زبیرؓ" تمہیں کیا ہوا؟ عرض کی میں نے سنا ہے کہ خدانخواستہ آپ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانبازی اور محبت کا جذبہ دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعاء خیر فرمائی۔ حضرت زبیرؓ کی عمر اس وقت کوئی سولہ سترہ برس تھی۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ اسلام میں پہلی تلوار تھی جو ایک بچہ کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔ آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے داماد، حضرت زبیرؓ بچپن ہی سے بلند حوصلہ بہادر اور اولوالعزم انسان تھے ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ان کی تربیت ہی کچھ ایسے انداز سے کی تھی کہ بڑے ہو کر سپاہیانہ خوبیوں کا مجموعہ بن سکے۔

حضرت زبیرؓ ابھی کم سن ہی تھے کہ مکے میں ایک جوان آدمی سے ان کا مقابلہ ہو گیا انہوں نے اسے ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا لوگوں نے ان کی والدہ سے شکایت کی تو حضرت صفیہؓ نے سب سے پہلے یہی سوال کیا "تم نے زبیرؓ کو کیسا پایا؟ بہادر یا بزدل؟"

کفار مکہ کے ظلم و ستم کی آندھیاں روز بروز تیز ہوتی جاتی تھیں، بلاکشان اسلام ان کے پنجہ استبداد سے کسی طرح محفوظ نہیں ہو رہے تھے۔ حضرت زبیر کی یہ حالت تھی کہ ان کے چچا نے ہر ممکن طریقے سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا مگر تشنۂ توحید کے سامنے کیا چیز ٹھہر سکتی تھی کبھی دفعہ ان کو چٹائی میں لپیٹ کر باندھا گیا اور اس قدر دھونی دی گئی کہ دم گھٹنے لگتا مگر ان کی زبان پر یہی ہوتا کہ کچھ کرو۔ اب میں کافر نہیں ہو سکتا۔ مسلمان اگرچہ ہر طرح کے مصائب برداشت کر رہے تھے مگر ان کا پیمانہ صبر لبریز نہیں ہو سکتا تھا لیکن رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جو چاہیں حبش کو ہجرت کر جائیں۔ اول اول گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن میں حضرت زبیرؓ بن عوام بھی تھے مہاجرین حبش ابھی وہیں ہی تھے کہ کسی دشمن نے حبش پر حملہ کر دیا۔ نجاشی خود مقابلہ کے لیے گئے۔ صحابہ نے اس معاملہ میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص جائے اور خبر بھیجے تاکہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کو پہنچیں زبیر سب سے کم عمر کے تھے لیکن انہوں نے یہ پیشکش کی کہ میں جاتا ہوں وہ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر میدان جنگ میں گئے اور تھوڑے دنوں بعد واپس آ کر یہ خوش خبری سنائی کہ خدا نے نجاشی کو فتح دی ہے۔ حضرت زبیرؓ کچھ دنوں بعد حبش سے لوٹے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کا ارادہ فرمایا اس لیے انھوں نے بھی مدینے کی مبارک سرزمین کو اپنا وطن بنایا۔ اسلام کے اس جانثار بہادر اور عالی حوصلہ سپاہی نے ہر غزوے میں ممتاز حیثیت سے شرکت کی۔ اور اپنی شجاعت کے نمایاں جوہر دکھلائے۔

سب سے پہلے معرکہ غزوۂ بدر میں جب مبارزت طلب کی گئی تو سردار عبیدہ بن سعید میدان میں آیا۔ اور پکارا کہ میں ابوکرش ہوں "ہے کوئی مرد میدان؟" یہ سن کر حضرت زبیرؓ مقابلے کے لیے نکلے۔ عبیدہ بن سعید اس وقت سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت زبیرؓ نے تاک کر آنکھ میں اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور ڈھیر ہو گیا تھا کہ حضرت زبیر نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بہ مشکل باہر نکلا لیکن اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یادگار کے طور پر یہ نیزہ ان سے لے لیا پھر یہ خلفا میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ ان کے فرزند جلیل حضرت عبداللہ کے پاس آیا اور ان کی شہادت تک ان کے پاس رہا۔ اس کے بعد یہ نیزہ عبدالملک نے حضرت عروہ بن زبیر کو دے دیا اور انھوں نے اس کی قیمت لگوائی تو تین ہزار ٹھہری اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا اس کے بعد ایک اور مشرک نے ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت طلبی کی۔ حضرت زبیر اٹھے اور بڑھ کر اس سے لپٹ گئے دونوں قلابازیاں کھاتے ہوئے زمین پر آتے یہ دیکھ کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو پہلے زمین پر آئے گا۔ وہی مقتول ہو گا چنانچہ پہلے مشرک زمین پر آیا۔ اور واصل جہنم ہوا۔

اس غزوے میں حضرت زبیرؓ اس بے جگری اور جانبازی کے ساتھ لڑے کہ جس طرف نکل جاتے تھے دشمنوں کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے اپنی حالت یہ تھی کہ جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا یہی وہ جنگ تھی جس میں انھیں ایک ایسا کاری زخم آیا جس سے ایک گڑھا پڑ گیا تھا۔ حضرت عروہؓ بن زبیر کہتے ہیں کہ ہم بچپن میں اس زخم میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے۔

غزوہ بدر میں حضرت زبیرؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ زرہ و عمامہ زیب کئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ آج فرشتے بھی اسی وضع میں آئے ہیں غزوہ احد میں اسلام کے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صف آرائی فرمائی تو حضرت زبیرؓ کو رسالے کی افسری دی اثنائے جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا کہ کون اس کا حق ادا کرے گا۔ تو حضرت زبیرؓ نے تین مرتبہ اپنے آپ کو پیش کیا مگر یہ فخر کسی اور کے مقدر ہو چکا تھا پھر چند مسلمانوں کی بے احتیاطی سے تھوڑی دیر کے لیے غازیان دین کے پاؤں متزلزل ہوئے تو شمع نبوت کے گرد صرف گیارہ جانثار صورت پروانہ ڈٹے ہوئے تھے ان گیارہ میں حضرت زبیرؓ بھی تھے اور جانثاری کا فرض ادا کر رہے تھے۔

غزوۂ خندق میں مستورات کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا گیا تھا۔ تاہم اندیشہ تھا کہ معاہدے ٹوٹ جانے کے باعث یہود بنو قریظہ اس سیلاب میں حملہ نہ کر دیں اس لیے اس حصہ پر حضرت زبیرؓ متعین کر دیئے گئے یہ محاصرہ جب ایک ماہ تک طول پکڑ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے یہود کے بارے میں دریافت کرنا چاہا اور لوگوں سے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر نکل کر اس قوم کی خبر لائے تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے لیکن ہر مرتبہ حضرت زبیرؓ نے ہی بڑھ کر عرض کی کہ میں یا رسول اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فداکاری سے خوش ہو کر فرمایا کہ ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں۔ میرا حواری زبیرؓ ہے۔ غزوہ خیبر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں رئیس خیبر مرحب جب داخل جہنم ہو گیا تو اس کا بھائی یاسر هل من مبارز کہتا ہوا آیا تو حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کے لیے نکلے وہ اس قدر موٹا تازہ قوی ہیکل تھا کہ حضرت صفیہؓ (حضرت زبیرؓ کی والدہ) کہہ اٹھیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا لخت جگر آج شہید ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں زبیر اس کو مارے گا چنانچہ تھوڑے سے مقابلے کے بعد یہ زمین پر ڈھیر تھا۔

فتح مکہ کے روز جب سرور کائنات رحمۃ للعالمین شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس زمین میں داخل ہوئے تھے جہاں آٹھ سال پہلے سختیوں اور تکلیفوں کے سوا کچھ نہ تھا تو فوج اسلام کے متعدد دستے بنائے گئے تھے سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اس دستہ کی علمبرداری کا شرف حضرت زبیرؓ کو مقدر ہوا تھا۔ اور پھر جب آپ مکے میں داخل ہوئے اور چاروں طرف امن و سکون ہو گیا تو حضرت زبیرؓ اپنے گھوڑے پر دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اپنے دست مبارک سے ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا کہ میں نے گھوڑے کے لیے دو اور سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا ان کو نقصان پہنچائے گا۔ اس کے بعد واپسی پر غزوہ حنین پیش آیا تو اس موقع پر کمین گاہوں میں چھپ چھپ کر مسلمان سپاہیوں کی نقل و حرکت دیکھ

رہے تھے۔

حضرت زبیرؓ جب اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص اپنے ساتھیوں سے بآواز بلند کہنے لگا لات و عزیٰ کی قسم! یہ لمبا تڑنگا سوار یقیناً زبیرؓ ہے۔ اس کا حملہ انتہائی خطرناک ہوتا ہے اس لیے تیار رہ جاؤ اس کا اتنا کہنا تھا کہ یکایک ایک جمعیت نے حملہ کر دیا۔ حضرت زبیرؓ کے لیے یہ ناگہانی آفت تھی انہوں نے نہایت تیزی کے ساتھ اس حملے کو روکا اور اس شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے خالی ہو گئی اس کے بعد طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شرکت کی اور پھر حجۃ الوداع کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے طبیعت پر افسردگی ہو گئی اور غم فراق نے اس قدر پژمردہ کر دیا کہ خلافت صدیقی کے پورے سوا دو برس عزلت نشینی میں گزار دیئے۔ خلافت فاروقی میں جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور تمام عرب میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا تو یہ مرد میدان پھر باہر آیا اور خلیفہ وقت سے اجازت لے کر شامی رزم گاہ میں شریک ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب یرموک کے میدان میں شام کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ دوران جنگ میں لوگوں نے کہا کہ اگر آپ حملہ کر کے دشمن کے دل میں گھس جائیں۔ تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں گے حضرت زبیرؓ نے کہا کہ تم میرا ساتھ نہیں دے سکو گے" لوگوں نے جب عہد کیا تو اس زور سے حملہ کیا کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے اس پار نکل گئے اور کوئی بھی ساتھ نہ دے سکے واپس ہوئے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نرغہ کر کے سخت زخمی کر دیا۔ گردن پہ اسقدر دو زخم کاری آئے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے تھے۔ عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرے زخم کا گڑھا تھا جس میں بچپن میں ہم انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔

فسطاط کے محاصرے میں امیر لشکر حضرت عمرو بن عاص نے دربار خلافت سے کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے دس ہزار فوج اور چار افسر روانہ کیے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک افسر ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ افسروں میں ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے، رتبے کے لحاظ سے حضرت عمروؓ بن العاص نے ساری فوج کا انہیں افسر بنا دیا اور محاصرے وغیرہ کا انتظام بھی ان کے ہاتھ میں دیدیا۔

حضرت زبیرؓ کے سپاہیانہ فضائل کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے پہ سوار ہوتے۔ خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب خیال کیا سوار اور پیادے متعین کئے اور اس کے ساتھ ہی منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ یہ محاصرہ جب لمبا ہو گیا۔ اور فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو تنگ آ کر ایک روز حضرت زبیرؓ نے کہا کہ "آج میں مسلمانوں پر اپنی جان نثار کرتا ہوں" ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر دشمن کے قلعہ پر چڑھ گئے۔ چند اور سپاہیوں نے بھی ساتھ دیا اور فصیل پر جا کر سب نے نعرۂ تکبیر بلند کر دیا اس کے ساتھ ہی ایک ایسا نعرہ مارا کہ قلعے کی زمین ہل گئی اور دشمن یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعے کے اندر گھس آئے ہیں بدحواس ہو کر بھاگے ادھر حضرت زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعے کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس گئی۔ حاکم وقت نے یہ دیکھ کر اماں دے دی۔ سکندریہ کی فتح میں حضرت زبیر کو فوج کا ہراول بنایا گیا اور اس زور سے حملہ آور ہوتے کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ محاصرے کے دوران ان لوگوں نے کہا قلعے میں سخت طاعون ہے۔ فرمایا کہ ہم آئے ہی طعن و طاعون کے لیے ہیں۔ موت سے ڈرنا کیسا۔ اسلام کا یہ جانثار سپاہی، حواری رسول اللہؐ

# صدائے حرم

میں وہی ارض حرم ہوں جسکی عظمت کے حضور
جھک گئے تھے قدسیانِ آسماں رفعت کے سر

میں وہی ہوں قلبِ آدمؑ میں تھی جس کی آرزو
طوفِ خورشید عرب ہوتا تھا جسکی خاک پر

چوم سکتا تھا نہ قدموں کو مرے طوفانِ نوحؑ
عرش کی حد سے بھی ارفع تھی میری رہگذر

میں حریم کبریا تھا یعنی بیت اللہ تھا
میرے ذرّے تھے شعاعِ مہر سے تابندہ تر

تھا سویدائے دلِ فاروقؓ و عثمانؓ و علیؓ
بوذرؓ و سلمانؓ کے ایمانوں میں جو تھا منجلی

دیدۂ مسلم نے مجھ سے بے رُخی برتی ہے اب
عشق والوں سے محبت کا نشاں جاتا رہا

میری جانب اب سر اہل وفا جھکتا نہیں
آہ تاجِ افتخارِ دو جہاں جاتا رہا

اب میری عزت پہ کٹ مرنے کو آمادہ ہے کون
دل کی بے تابی گئی، سوزِ نہاں جاتا رہا

گنبدِ گردوں سے ٹکراتا نہیں نالہ کوئی
سینۂ بلبل سے عشقِ گلستاں جاتا رہا

شوخیٔ پروانہ پروانے سے رخصت ہو گئی
یہ پری آخر پری خانہ سے رخصت ہو گئی

مسلم خوابیدہ از خوابِ گراں بیدار شو
از سرِ نو زندہ کن آئینِ سلمانؓ و بلالؓ

ہاں یہ اُمت بن نہ جائے امتِ عاد و ثمود
ہاں مسلط ہو نہ جائے تجھ پہ قہرِ ذوالجلال

تیری تقدیریں تری تدبیر کی مرہون ہیں
ہے ترے طالع کی پستی تیری ہمت کا زوال

اپنے ایماں کو کلورخِ کفر سے محفوظ رکھ
دیکھ اس آئینۂ فطرت میں پڑ جائے نہ بال

بحرِ ہستی میں اچھل کر لطمۂ گرداب بن
برق کی صورت تڑپ جا گرمیٔ سیماب بن

از شفیق بابری

# اہل السنت والجماعت کی صداقت وحقانیت (ایک علمی وتحقیقی مقالہ)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ صاحب مدظلہ، خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ

قسط ۳

## فضائل اہل البیت

قرآن مجید میں اہل البیت سے مراد اولاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر والیاں یعنی پاک بیویاں ہیں اور ثانیاً دوسرے گھر والے حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ بہرحال اہل سنت والجماعت کے نزدیک ازواج مطہرات اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت علیؓ کے اہل البیت میں شامل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کی جو احادیث لکھی ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

(۱) قال علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام من احب علیاً فقد احبنی ومن ابغض علیاً فقد ابغضنی ومن اذی علیاً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حضرت علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے حضرت علیؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور جس نے حضرت علیؓ کو دکھ پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا اور جس نے مجھے دکھ پہنچایا اس نے اللہ کو دکھ پہنچایا۔

۲۔ عن البراءؓ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحسن بن علی عاتقہ وھو یقول علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اللّٰھم انی احبہ فاحبہ۔

"حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس حال میں کہ آپ کے کندھے پر حضرت حسنؓ تھے اور حضورؐ فرما رہے تھے کہ اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ پس تو بھی اس سے محبت رکھ"

۳۔ واخرج البخاری عن ابی بکرۃؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن علی جنبہ ینظر الی الناس مرۃً والیہ مرۃً یقول ان ابنی ھذا سیدٌ ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین...

عن انس قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای اھل بیتک احب الیک قال الحسن والحسین۔

بخاری نے حضرت ابو بکرہؓ کی روایت لکھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر سنا کہ حضورؐ کے پہلو میں حضرت حسنؓ بیٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ کبھی لوگوں کی طرف نظر کرتے تھے اور کبھی امام حسنؓ کی طرف اور فرماتے تھے یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" (اس پیشگوئی سے مراد حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان صلح کرانا ہے) اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہل بیت میں سے آپ کو کون زیادہ محبوب ہے تو فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ۔

۴۔ وروی المسور بن المخرمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال فاطمۃ بضعۃ منی فمن ابغضھا ابغضنی۔

"اور مسور بن المخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؓ میرا ایک ٹکڑا ہے پس جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔"

## حضرت عائشہؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فضائل میں حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حبیبۂ حبیب رب العالمین بودہ است۔ تا لب گور مقبولہ ومنظورہ او علیہ الصلوٰۃ والسلام بودہ۔ ومعرفت پیغمبر مرض موت را بہ حجرہ او بسر بردہ ودر کنار او جان دادہ۔ ودر حجرہ مطہرہ او لاہ دفون گشتہ مع ذالک الشرف حضرت صدیقہ عالمہ ومجتہدہ بود وپیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام بیان مشعرین را با و حوالہ داشتہ واصحاب کرام در مشکلات احکام رجوع بوے می نمودند وحل معلقات ازوی دریافتند۔ ایں چنیں صدیقہ مجتہدہ را بواسطہ مخالفت حضرت امیر مطعون ساختن وامثال ناشائستہ بوے منتسب نمودن بسیار نامناسب است ودور از ایمان بہ پیغمبر است علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امیر اگر داماد حضرت پیغمبر است وپسر عم اوست حضرت صدیقہ زوجۂ مطہرہ اوست علیہ وعلی جمیع اہل بیتہ الصلوٰۃ والسلام۔ (مکتوب امام ربانی جلد دوم ص۵۹)

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہؓ جو حبیب رب العالمین کی محبوبہ ہیں۔ قبر مبارک میں جانے تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول اور منظور رہیں اور حضورؐ نے مرض وفات کے دن آپ کے حجرہ میں گذارے ہیں اور آپ کی گود میں جان دی ہے اور حضورؐ حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مطہرہ میں ہی دفن ہوئے ہیں۔ اور باوجود اس شرف وفضیلت کے حضرت عائشہ صدیقہؓ عالمہ اور مجتہدہ تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے نصف حصے کا بیان ان کے حوالے کیا ہے اور صحابہ کرامؓ مشکل احکام میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور پیچیدہ مسائل کا حل ان سے دریافت کرتے تھے۔ ایسی صدیقہؓ مجتہدہ کو بوجہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے طعن دینا اور ان کی طرف ناشائستہ باتوں کو منسوب کرنا بہت نامناسب ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سے دور ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ اگر رسولؐ کے داماد اور چچا زاد بھائی ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہؓ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیوی ہیں۔ اوپر آپ کے اور اوپر تمام اہل بیت کے صلوٰۃ وسلام ہو۔ (مکتوب امام ربانی جلد دوم ص۵۹)

## ازواج مطہرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیویوں کی شان قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے چنانچہ آیت النبیّ اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم (پ ۲۱ سورۃ الاحزاب رکوع ۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کی جانوں سے بھی زیادہ ان سے تعلق رکھتے ہیں اور حضورؐ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

(۲) لَایحِلُّ لکَ النساء من بعدُ ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینُک

(پ ۲۲ سورہ الاحزاب رکوع ۶)

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں۔ اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی شیعی:-

آیت نمبر ۱۔ نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

آیت نمبر ۲ — اس کے بعد نہ تمہارے لیے اور عورتیں حلال ہیں اور نہ یہ بات کہ تم موجودہ ازواج کے بدلے اور ازواج کر لو۔ گو تم کو ان کا حسن کتنا ہی اچھا معلوم ہو۔ سوائے ان کے جن کے تم مالک ہو جاؤ (یعنی لونڈیاں)

ان آیات سے ازواج مطہرات کی دو خصوصی فضیلتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ وہ تمام مومنین کی مائیں ہیں۔ اور مومنین میں علی المرتضیٰؓ حضرت حسن وحضرت حسینؓ اور خلفاء واصحاب اور قیامت تک کے اولیائے امت شامل ہیں اور یہ رحمۃ للعالمین کی پاک بیویوں کی ایسی اعلیٰ شان ہے جو اور کسی مومن عورت کو نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ باوجود خاتونِ جنت ہونے کے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ اور دیگر ازواج مطہرات کی مومن بیٹی ہیں۔

(ب) رسول کریم ان کو طلاق دے کر ان کی جگہ اور عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔ یہ ازواج ہمیشہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رہیں گی اور جنت میں بھی محبوب خدا کے ساتھ جنت کے اعلیٰ ترین مقام میں ہوں گی۔

## آیت تطہیر

آیت ۳: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

(پ ۲۲ سورہ الاحزاب رکوع ۵)

"اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہراً باطناً) پاک و صاف رکھے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ مقبول احمد شیعی: "اے اہل بیت سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے"

اس آیت کا نام آیت تطہیر ہے جو حضور پاکؐ کی پاک بیویوں کی شان میں نازل ہوئی ہے اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ آیت سے ماقبل و مابعد میں صرف ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے اور حضرت علیؓ وغیرہ کا سیاق و سباق میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ (ب) البتہ حدیث سے ان حضرات کا اہل بیت میں سے ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو اپنی چادر مبارک میں لے کر یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔

"اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے آلودگی دور کر دے اور ان کو اچھی طرح پاک کر دے۔"

اور اگر قرآن کی آیت سے یہ حضرات مراد ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کو پاک صاف کرنے کی دعا کرنے کی کیا حاجت تھی جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو پاک صاف کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ ازواج مطہرات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے حق میں دعا کر کے ان کو بھی اہل بیت کی فضیلت میں شامل فرما دیا۔ لہٰذا اہل البیت سے مراد ازواج مطہرات کے علاوہ یہ حضرات بھی ہیں۔ نہ یہ کہ جن مقدس بیویوں کے حق میں یہ آیت تطہیر نازل ہوئی ہے ان کو تو اہل بیت سے خارج کر دیا جائے اور جن کے حق میں آیت نازل نہیں ہوئی بلکہ حدیث سے ان کا اہل البیت ہونا ثابت ہوتا ہے صرف ان کو ہی اہل البیت سے تعبیر کیا جائے یہ نظریہ خلاف حق و انصاف ہے

## ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اس لیے مراد نہیں ہو سکتیں۔ کہ اس میں عَنْکُمْ ضمیر جمع مذکر مخاطب کی ہے اگر بیویاں مراد ہوتیں تو عَنْکُنَّ یعنی ضمیر جمع مونث مخاطب استعمال کی جاتی۔ اس کا جواب یہ ہے

۱۔ قرآن میں دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کے لیے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

قَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْا

"حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی سے فرمایا۔ تم ٹھیرو"

علاوہ ازیں یہاں لفظ "اہل" سے مراد بیوی ہیں نہ کہ کوئی اور رشتہ دار اور آجکل بھی اردو زبان کا محاورہ بھی یہی ہے کہ بیوی کو اہلیہ کہا جاتا ہے۔ اور پنجابی میں بیوی کو گھر والی کہتے ہیں۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو جب بیٹا پیدا ہونے کی فرشتوں نے بشارت دی تو انہوں نے اپنے بڑھاپے کے پیش نظر اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ تو جواب میں فرشتوں نے فرمایا:

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ۔

(پارہ ۱۲ — رکوع ۶)

کیا تو اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہے اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے (ابراہیمؑ کے گھر والی)

(ل) تو اس آیت میں بھی عَلَیْکُمْ میں ضمیر مذکر مخاطب ہے لیکن اس سے مراد صرف حضرت ابراہیم کی بیوی ہی ہیں۔

(ب) یہاں یہ اہل بیت کے الفاظ ہیں جن سے مراد صرف حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ہیں نہ کہ اولاد کیونکہ اس وقت آپ کی اولاد نہ تھی لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ آیت تطہیر میں بھی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیویاں ہیں۔

(ج) اور شیعہ مذہب میں تو آیت تطہیر سے مراد حضرت علی المرتضیٰ اور وغیرہ حضرات مراد ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ سب معصوم ہیں۔ اور معصوم پیدائشی ہی آلودگیوں سے پاک ہوتا ہے لہٰذا ان کے متعلق یہ فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے آلودگی (ناپاکی) دور کرنا چاہتا ہے جبکہ وہ پیدائشی ہی پاک ہیں اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ آیت تطہیر ان پاک بیویوں کے حق میں ہے جو پیدائشی تو معصوم نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے اسی بنا پر ان کو ازواج مطہرات کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قرآن کے اعلان کے مطابق پاک شدہ بیویاں ہیں۔

## ایک دوسرے شبے کا ازالہ

بعض کہتے ہیں کہ اہل البیت سے مراد بیویاں نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان کو طلاق دی جا سکتی ہے لہٰذا وہ عارضی طور پر گھر والوں میں شمار ہوتی ہیں نہ کہ ہمیشہ کے لیے۔

الجواب (۱) اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت علیؓ بھی اہل بیت میں شامل نہیں ہیں کیونکہ وہ داماد رسولؐ ہیں اور ان کا گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے جدا تھا

(ب) حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی اہل البیت میں شامل نہیں ہو سکتیں کیونکہ نکاح کے بعد حضرت علیؓ کا گھر ان کا گھر بن گیا تھا۔ اسی طرح حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بحیثیت اولاد کے حضرت علیؓ کے گھر میں رہتے تھے۔

(ج) پہلے آیت قرآنی سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں کو طلاق دینے اور ان کی جگہ دوسری بیویاں لانے سے منع فرما دیا ہے۔ لہٰذا طلاق نہ دی جانے کی وجہ سے ازواج رسولؐ مستقل طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل البیت (گھر والیاں) ثابت ہو گئیں۔ جو انشاء اللہ جنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلیٰ و ارفع مقام میں سکونت پذیر ہوں گی۔ اور ان تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کا حجرہ مطہرہ ہی رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روضہ مقدسہ و منورہ ہے جس کی خاک پاک کو بوجہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اطہر کے ساتھ لگنے کے اہل السنت والجماعت کے عقیدہ میں عرش و کرسی حتیٰ کہ خانہ کعبہ پر بھی فضیلت حاصل ہے۔

"ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ"

## شب براءة کو یوم توبہ منایا جائے

پاکستان اپنے روز قیام سے ہی جس جس قسم کی الجھنوں مصیبتوں اور مشکلات سے دوچار ہے محتاج بیان نہیں۔ اب ہر شخص زبان حال سے پکار رہا ہے کہ اس ملک کے باشندے خدا کے عذاب میں مبتلا ہیں اور یہ گرفت روز بروز سخت ہوتی جا رہی ہے۔ خدا کے عذاب سے نجات پانے کے لیے مادی سہارے اور دنیاوی اسباب و ذرائع قطعاً کام نہیں دے سکتے اس کے لیے ضروری ہے کہ خداوند قدوس کے حضور خلوص نیت کے ساتھ توبہ کی جائے۔ ۱۵ شعبان المعظم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عظمت اور فضیلت کی رات قرار دیا ہے اسی روز پوری کائنات کے بارے میں فیصلے کیے جاتے ہیں۔ پاکستان کے باشندے اگر اجتماعی طور سے اس دن یوم توبہ منائیں اور شب برات کو پوری ایک رات بیدار رہ کر خداوند قدوس کی عبادت میں گذار دیں۔ اور اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ تو غفور الرحیم ضرور ہماری توبہ قبول کر کے مصیبتوں الجھنوں، مشکلات اور طرح طرح کے عذاب کی گرفت سے نجات عطا فرمائیں گے۔

اب رب کو راضی کرنے کے لیے پورے ملک میں ۱۵ شعبان المعظم بروز جمعرات (۱۳ ستمبر) کو یوم توبہ منایا جائے اور آتشبازی وغیرہ تمام غیر اسلامی رسومات کو قطعاً ختم کر دیا جائے۔ پاکستان کے کسی بھی شہر کے لوگوں نے اگر آتشبازی کے غیر اسلامی فعل کا ارتکاب کیا تو ڈر ہے کہ توبہ قبول نہ ہو اور خداوند قدوس اس طرح راضی نہ ہوں گے اس لیے توبہ کا پورا پورا عملی مظاہرہ بھی کیا جائے کہ اس رات کو پورے ملک میں خداوند قدوس کے احکام اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور آپ کے ارشادات کے مطابق پورا پورا عمل کیا جائے ہمیں پوری توقع ہے کہ باشندگان پاکستان شب برات کے تقدس اور اس کی فضیلت کا احساس کر کے پورے اعزاز و اکرام اور احترام کے ساتھ یوم توبہ منائیں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ——— اور پاکستان ہر قسم کے عذاب کی گرفت سے نجات پا جائے۔

# سائنس اور نبوت

## سائنس کی حیرت انگیز ترقی نے اگرچہ دنیا بدل دی

### مگر سائنسدان "خدا شناسی اور انسان فہمی" کی دولت سے تہی دامن ہو رہے ہیں

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

### ایسا کیوں ـــــ ؟ ایک فکر انگیز مقالہ

"کہا جاتا ہے کہ سائنس پڑھنے والا دہریہ ہوتا ہے مگر یہ واقعہ نہیں ہے، سائنس کے اصولوں کو غور سے دیکھا جائے تو خداوند قدوس کے کرشموں کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ سائنسدانوں پر دہریہ ہونے کا الزام غلط ہے" (پروفیسر سید مجتبیٰ کریم) مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ جسے بشکریہ "بینات" کراچی ـــ خدام الدین میں شائع کیا جاتا ہے (ادارہ)

راقم الحروف کے خیال میں یہ بات جزوی طور پر تو صحیح ہے لیکن امریکہ، یورپ، روس اور کمیونسٹ ممالک کے سائنسدان اکثر وبیشتر نیم ملحد اور دہریے نظر آئیں گے اس میں شک نہیں سائنسی ایجادات نے عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، اور مادی سطح پر انسان کی راحت وسہولت کی وہ صورتیں وجود میں آئیں جن کا کچھ مدت پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مگر سائنس دان حقیقتِ کبریٰ تک رسائی سے محروم رہے "ایٹم" کا جگر چیر کر اس کے بنیادی عناصر اور اس کی پنہاں قوت کی دریافت میں وہ ضرور کامیاب ہوتے مگر انسانیت کے اجزاء ترکیبی اور اس کی قدر وقیمت کا معمہ ان سے حل نہ ہو سکا۔ انہوں نے تمام علویات وسفلیات کے نظام ارتقاء کی کڑیاں بڑی محنت سے تلاش کیں، مگر خود انسان کی معراجِ ارتقاء اور اس کا مبداء ومنتہیٰ کیا ہے۔؟ اس کا جواب ان سے نہ بن پڑا، وہ کائنات کی ایک ایک چیز کے اوصاف وخواص کو ڈھونڈتے پھرے۔ مگر انسانیت کے اخلاق واقدار اور اس کے بننے اور بگڑنے کے اسباب کی جستجو سے وہ ہمیشہ عاجز رہے انہوں نے مختلف اعراض وجواہر کی پیمائش کے مختلف آلات ایجاد کیے۔ مگر پیمائش انسانیت کا پیمانہ ان کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا انہوں نے بڑی حساس خوردبینوں کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے جراثیم تک دیکھ ڈالے، مگر انہیں "خود شناسی" کی کوئی خوردبین میسر نہ آئی جس سے انہیں خود اپنے نفس کا کوئی جرثومہ نظر آتا۔ الغرض سائنس کی ترقی نے ایک دنیا بدل کر رکھ دی۔ مگر افسوس کہ مشرق ومغرب کے ملحد سائنسدان "خدا شناسی" اور "انسان شناسی" کی دولت سے تہی دامن ہی رہے بلاشبہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، مگر ہوا۔ اور سب کے سامنے ہو رہا ہے، ایسا کیوں ہوا؟ آئیے اس "کیوں" کا جواب کسی "خضرِ راہ" سے دریافت کریں۔ حضرت موسیٰ وخضر (علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کا جو قصہ قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اسی قصہ میں حضرت خضر علیہ السلام کا ایک ایسا فقرہ صحیح بخاری کی حدیث میں مروی ہے جس سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جب طالب علمانہ حیثیت میں حضرت خضر علیہ السلام سے رفاقت کی درخواست کی تو اس کے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔

یا موسیٰ انی علیٰ علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت، وانت علیٰ علم من اللہ علمک اللہ لا اعلمہ۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۸ ج ۲)

اے موسیٰ! میں اللہ کی جانب سے (عطا کردہ) ایک ایسے علم پر ہوں جس کو آپ نہیں جانتے اور آپ اللہ کی جانب سے (عطا شدہ) ایک ایسے علم پر (حاوی) ہیں جس کو میں نہیں جانتا۔

اور دوسری روایت میں اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں۔

اما یکفیک ان التوراۃ بیدیک؟ وان الوحی یاتیک، یا موسیٰ ان لی علماً لا ینبغی لک ان تعلمہ وان لک علماً لا ینبغی لی ان اعلمہ (ص ۶۸۹ ـ ج ۲)

کیا آپ کو اتنا کافی نہیں کہ آپ کے ہاتھوں میں تورات موجود ہے نیز آپ کے پاس وحی آتی ہے؟ اے موسیٰ! میرے پاس جو علم ہے اس کا سیکھنا آپ کے شایانِ شان نہیں اور آپ کے پاس جو علم ہے اس پر حاوی ہو جانا میرے بس کی بات نہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کے اس حکیمانہ فقرے میں جو کچھ سمجھایا گیا اس کی تشریح کے لیے مندرجہ ذیل نکات ملحوظ رکھے جائیں۔

## دو قسم کے علم

۱۔ حق تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کو دو قسم کے علم عطا کیے گئے ہیں ایک کائنات کے اسرار ورموز، اشیاء کے اوصاف وخواص اور فوائد ونقصانات کا علم جسے "علم کائنات" یا "تکوینی علم" کہا جاتا ہے۔ تمام انسانی علوم اور ان کے سینکڑوں شعبے اسی "علم کائنات" کی شاخیں ہیں، گو معلوماتِ خداوندی کے مقابلہ میں انسان کا یہ کائناتی علم سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی اور پہاڑ کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی نسبت بھی نہیں رکھتا اور دوسرا وہ علم جو خالق کائنات کی ذات وصفات، اس کی مرضیات و نامرضیات اور انسان کی شقاوت وسعادت کی نشاندہی کرتا ہے اسے "علم الشرائع" یا "تشریعی علوم" سے یاد کیا جاتا ہے۔

## جدا جدا راہیں

۲۔ یہ دونوں علم حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے ہی بندوں کو عطا کیے جاتے ہیں مگر دونوں کے ذرائع الگ الگ ہیں۔ قسم اول کے لیے احساس، عقل، تجربہ اور فہم وفراست عطا کیے گئے ہیں اور جہاں انسانی عقل وخرد کی رسائی نہیں ہو سکتی وہاں وحی اور الہام سے اس کی راہنمائی کی جاتی ہے۔ چنانچہ انسان کی دنیوی زندگی سے متعلقہ تمام علوم کے مبادیات وحی الہام کے ذریعے سکھائے گئے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا مزید برآں انسان کی فطرت میں عقلی وتجرباتی علوم میں ترقی کی وافر استعداد رکھی گئی۔ اسی علم کا ایک شعبہ حضرت خضر علیہ السلام کو وہبی طور پر عطا کیا گیا۔ اور خالق کائنات کی ذات وصفات کی معرفت اور اس کی مرضیات ونامرضیات کی پہچان چونکہ انسانی ادراک سے بالاتر تھی، بنا بریں اس کا مدار محض عقل وتجربہ پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس کی تعلیم کے لیے انبیاء کرام کا ایک مستقل سلسلہ جاری کیا گیا جس کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی اور انتہا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو معرفتِ ذات وصفات، مبداء ومعاد، سعادت وشقاوت، فضائل ورذائل، عذاب وثواب کی تفصیلات سے بذریعہ وحی مطلع کیا گیا۔ ان کے سامنے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا صاف ستھرا راستہ کھولا گیا۔ ان کو اس صراطِ مستقیم کی دعوت پر مامور کیا گیا اور ان حضرات کو اولادِ آدم کا مقتدا بنا کر پوری انسانیت کی سعادت وشقاوت کو ان کے قدموں سے وابستہ کر دیا گیا یہی وہ علم تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔

## انبیاء کرام

۳۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) بھی چونکہ انسانی برادری کا ایک معزز گروہ ہے اور انہیں بھی اس ناسوتی زندگی کی ضروریات بہرحال لاحق ہیں۔ اس لیے وہ انسان کی دنیوی حاجات سے بے خبر نہیں، نہ وہ کسب معاش کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں، نہ اس زندگی سے متعلقہ علوم کی نفی کرتے ہیں بلکہ بشرطِ ضرورت خود بھی کسب معاش کرتے ہیں۔ البتہ زندگی کی حرکت وسکون اور کسب معاش کے ہر طور وطریق پر وہ اس نقطۂ نظر سے بحث کرتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا نہیں اور یہ سفرِ آخرت کے لیے زادِ راہ ہے یا اس کی منزل کو کھوٹا کرتا ہے؟ الغرض وہ ہر شعبۂ زندگی کے متعلق ہر شخص کو ہدایات دیتے ہیں، جائز وناجائز بتاتے ہیں۔ اچھے اور برے کی

نشاندہی کرتے ہیں مگر خود کسی علم اور فن کو اپنا موضوع نہیں بناتے۔ بلکہ انتم اعلم بامور دنیاکم کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں، گویا دنیا کے کسی علم و فن اور فلسفہ و سائنس کو موضوع بنانا ان کی اعلیٰ و ارفع شان سے فروتر چیز ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت خضر علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ "اے موسیٰ! میرے پاس جو علم ہے اس کا سیکھنا آپ کے شایان شان نہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ مادیات کی جو ترقی ان کے امتیوں کے ہاتھوں ہوئی۔ خود ان حضرات کے ہاتھ اس سے ملوث نہیں ہوتے اور غالباً یہی نکتہ ہے کہ جہاں تک دین کی ترقی کا تعلق تھا ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی محنت کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور جب اس پر فتوحات کا دروازہ کھلا تو ہاتھ جھاڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے اور کام اپنے خلفاء کے سپرد فرمایا۔

## انبیاء کے علوم

۴۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر جو علوم کھولے گئے ہیں وہ صرف انہیں کے لیے نہیں ہیں بلکہ تمام انسانیت ان کی محتاج ہے۔ اس لیے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا دانشور، حکیم، سائنسدان اور فلاسفر ان علوم کو انبیاء علیہم السلام کی وساطت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ عام انسانوں کا کمال یہی ہے کہ وہ ان علوم نبوت کا کچھ حصہ ان حضرات کے ذریعہ حاصل کر سکیں نہ وہ تمام علوم نبوت کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نہ انبیاء علیہم السلام سے مستغنی ہو کر انہیں علوم نبوت کا کوئی شمہ نصیب ہو سکتا ہے یہی مطلب ہے حضرت خضر علیہ السلام کے ارشاد کا کہ: "اور آپ کے پاس جو علم ہے اس پر حاوی ہو جانا میرے بس کی بات نہیں"۔ اگر پرائمری کا طالب علم ریاضی کے دقیق مسائل یا ایٹمی نظریات کی تشریحات سمجھنے سے قاصر ہے تو اس میں قصور ان مسائل کا نہیں بلکہ طالب علم کی پست ذہنی کا ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے دنیا بھر کے عقلاء و حکماء اور افلاطون و جالینوس طفل مکتب ہیں نہ وہ ان اساتذہ فطرت (علیہم السلام) سے مستغنی ہو سکتے ہیں نہ ان کے علوم پر حاوی ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

## ماہرین علم و دانش

فلسفہ و سائنس کے ماہرین علم و دانش اور عقل و فہم کے جس مرتبہ پر فائز ہیں اس کی وجہ سے کائنات کی بوقلمونیوں سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقف اور فطرت کی نیرنگیوں کے سب سے زیادہ شناسا ہیں ان سے یہ توقع بے جا نہیں تھی کہ وہ قدرت خداوندی کے سامنے سب سے زیادہ سرنگوں ہوں گے۔ رسالت و نبوت کی ضرورت و اہمیت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی قدر و منزلت سب سے زیادہ انہیں پر کھلے گی۔ وحی الٰہی سے، جو انبیاء کرام پر نازل ہوتی ہے، سب سے زیادہ وہی استفادہ کریں گے۔ انبیاء کرام علیہ السلام سے وفاداری و جاں نثاری اور اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ سب سے بڑھ کر انہیں کی جانب سے ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے سائنس کی قیادت جن ہاتھوں میں آئی وہ معرفت کے دروازے پر پہنچ کر واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت کو عار سمجھا اور تعلیمات نبوت سے استغناء کا مظاہرہ کیا۔ یوں ارشاد خداوندی :-

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اور گمراہ کر دیا اس کو اللہ تعالیٰ نے باوجود علم کے) ان پر صادق آیا۔ دور قدیم کے فلاسفہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت کے قائل تھے مگر ان کا کہنا تھا کہ یہ حضرات تو عوام کی اصلاح کے لیے تشریف لائے ہیں جب کہ ہم تہذیب و ترتیب کے اس پر مرتبہ فائز ہیں۔ جہاں نبوت سے استفادہ کی ضرورت نہیں رہ جاتی و نحن قوم ھذبنا انفسنا۔ ادھر دور جدید کے فلاسفر و سائنسدان، غرور و کبر میں ان سے ترقی یافتہ ثابت ہوتے انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے مشن کو بنظر حقارت دیکھا۔ انبیاء کرام کے زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی، جس کی دعوت انبیاء کرام کا خاص موضوع ہے اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا اور وہ مخصوص علوم جو انبیاء کرام کو عطا کیے جاتے ہیں، ان کے بارے میں نہ صرف شک و شبہ بلکہ ضد و عناد کا مظاہرہ کیا۔ نتیجۃً وہ نہ صرف نور ایمان سے محروم رہے بلکہ انسانیت کے اعلیٰ اخلاق و اقدار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب ان کی محنت "انسان" اور "انسانیت" کے بجائے مٹی اور مٹی سے نکلنے والی چیزوں پر صرف ہو رہی ہے۔ چیزیں بن رہی ہیں اور انسانیت بگڑ رہی ہے۔

## سائنس کی محرومی

سائنس اپنی تمام تر افادیت کے باوجود ان مغرور سائنسدانوں کو دہریت و الحاد کے بھنور سے نہ نکال سکی بلکہ اس کے برعکس وہ سائنس کو ملحد اور دہریہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ سائنس کے ان نیم پختہ ادھورے نظریات کی بنا پر جن کو آج شد و مد سے ثابت کیا جاتا ہے، اور کل ان کے غلط ثابت کرنے پر دلائل دیئے جاتے ہیں۔ سائنس کے بہت سے مسلم طلبہ نے اسلام کے مقابلہ میں دہریت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ یوں دہریت اور بے دینی سائنسی دور کا فیشن بن کر رہ گئی۔ انبیاء کرام کے مقابلہ میں سائنسدانوں کی اس متکبرانہ روش کا سبب مادیت کا غلط نشہ تھا۔ علمائے سائنس نے یہ فرض کر لیا۔ کہ مادیت کا یہ عروج، یہ برق اور بھاپ، یہ سیارے اور طیارے یہ ایٹم اور قوت انسانیت کا کمال بس انہی چیزوں کی خیرہ سامانی ہے۔ فضاؤں میں اڑنا، دریاؤں میں تیرنا، چاند پر پہنچنا، سورج کے طول و عرض کو ناپنا، اور زہرہ و مشتری کی خبریں لانا بس یہی انسانیت کی آخری معراج ہے، اور یہ ترقی چونکہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں نہیں ہوئی اسلیے نہ صرف یہ کہ سائنسی دور، دور نبوت سے افضل ہے بلکہ یہ ترقی یافتہ لوگ خود تمام انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور اس کا پروپیگنڈہ اس شدت سے کیا گیا کہ آج بہت سے مسلمان بھی موجودہ دور کو "مہذب دور" سے اور دور قدیم کو (جو انبیاء علیہم السلام کا دور تھا) "تاریک دور" سے تعبیر کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔ انا للہ۔

باقی آئندہ

# اپنے کردار پر بھی نظر ہم کریں

منظفر وارثی

اُف یہ سیل رواں
بارشیں بجلیاں
بہہ رہے ہیں مکاں
لقمۂ موت جاں

حشر کا ہے سماں
الاماں الاماں

تیز دھاروں نے جبڑے ہیں کھولے ہوئے
زندگی کے ہیں آثار ڈولے ہوئے
لشکرِ آب ہیں
صیدِ گرداب ہیں

بچے بوڑھے جواں
الاماں الاماں

خوش ہو دریا سروں سے گزرتا ہوا
اب تو پانی گھروں سے بھی اونچا ہوا

قہر ہی قہر ہے
غرق ہر شہر ہے

گاؤں ہیں بے نشاں
الاماں الاماں

کر دیا پانیوں کے حوالے ہمیں
آزمائش میں قدرت نہ ڈالے ہمیں
پیکرِ خاک ہم
مثلِ خاشاک ہم

اور یہ طغیانیاں
الاماں الاماں

اس تباہی کا ہر چند ماتم کریں
اپنے کردار پر بھی نظر ہم کریں

دکھ تو جان سوز ہے
عبرت آموز ہے

آفتِ ناگہاں
الاماں الاماں

سب کرشمے ہمارے گناہوں کے ہیں
ہم طلب گار تیری پناہوں کے ہیں
اے غریبوں کے رب
روک اپنا غضب

الاماں الاماں
الاماں الاماں

# حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ — ایک تاجر کی حیثیت سے

لکھنے کی حد تک یوں تو عام مورخین صرف اس قدر لکھ کر گذر جاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تجارت کرتے تھے بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ خز کی تجارت کرتے تھے یہ ایک قسم کا کپڑا تھا جس کا رواج اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بکثرت نظر آتا ہے لیکن امام کی تجارت کس پیمانہ پر تھی لوگوں نے اس کی طرف کم توجہ کی، واقعہ یہ ہے کہ اولاً خز کی تجارت ہی کوئی معمولی تجارت نہ تھی۔

اس زمانہ میں جیسا عام سوتی کپڑوں کی ارزانی کا یہ حال تھا جس کا اندازہ طبقات ابن سعد کی اس روایت سے ہو سکتا ہے ابوالعالیہ الریاحی جن کا زمانہ امام صاحب نے بھی پایا ہے یعنی جس وقت ابوالعالیہ الریاحی کی وفات بصرہ میں ہوئی ہے حضرت امام کی عمر دس سال کی تھی بہرحال ان ہی ابوالعالیہ کے ترجمہ میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ابوالعالیہ نے اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ اس وقت میرے جسم پر کل پندرہ درہم کا لباس تھا جس میں قمیص، عمامہ چادر سب ہی چیزیں شریک تھیں۔ پندرہ درہم کا مطلب آپ نے سمجھا؟ بمشکل چار سوا چار روپے ہوتے ہیں۔ مشین کے زمانے میں بھی جب یہ قیمت قابل تعجب ہے تو لوگوں کو اس زمانہ میں تعجب ہو تو حیرت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی ان کے شاگردوں نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے تھے؟ جواب میں انہوں نے جو بات کہی تھی اس کا پیش کرنا مقصود ہے۔ ابوالعالیہ نے بیان کیا۔

میں بارہ درہم میں ایک تھان رازی کرباس کا خرید لیا کرتا تھا اس کی ایک قمیص اور عمامہ بنا لیتا اور تین درہم کی لنگی مجھے کافی ہو جاتی تھی۔ قمیص کے نیچے اس لنگی کو پہنتا تھا۔

اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کی قمیص موجودہ زمانہ کی چھوٹی قمیص جیسی نہیں ہوتی تھی بلکہ اتنی لمبی ہوتی تھی کہ لنگی اس کے نیچے آجاتی تھی۔ بہرحال کپڑے کی ارزانی کے ان ہی دنوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کتابوں میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ خز کے دو تھانوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"جن میں سے ایک تھان کو میں نے بیس اشرفیوں میں فروخت کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس بیس اشرفی تک خز کا ایک ایک تھان بکتا تھا۔ بلکہ متصل سند کے ساتھ ابوالفضل بن خشنام کی جس روایت کو ارباب مناقب نے نقل کیا ہے یعنی مدینہ کے ایک آدمی کے ہاتھ امام صاحب کے عقب میں ایک شخص نے خز ہی کا تھان ایک ہزار درہم میں بیچ دیا تھا۔ معلوم ہونے پر شاگرد بے چارا عتاب میں ... اس لیے مبتلا ہو گیا تھا کہ تھان کی اصلی قیمت چار سو درہم تھی۔ (مناقب موفق صـ۱۹۹ ج ۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خز کا ایک ایک تھان لوگ ایک ایک ہزار درہم میں خرید لیتے تھے گویا یہ کوئی ایسی بات نہیں سمجھی جاتی تھی کہ جس کا رواج نہ ہو۔

خیر یہ تو خز کی اہمیت کا حال تھا لیکن امام اس قیمتی کپڑے کی تجارت کس پیمانہ پر کر رہے تھے جہاں تک کتابوں سے معلوم ہوتا ہے چار چیزیں اس باب میں معلوم ہوتی ہیں — پہلی بات تو یہ تھی کہ امام صرف خز کے تاجر ہی نہ تھے۔ بلکہ خز بافی کا کوئی بڑا کارخانہ ان کا کوفہ میں جاری تھا۔ (۲) کوئی حانوت خاص (شاپ) بھی کوفہ میں خز کی تھی جس سے مال کی فروخت کا سلسلہ جاری تھا۔ (۳) غلاموں سے بھی مال کی پھیری کراتے تھے (۴) کوفہ سے دساور دور دراز علاقوں مثلاً بغداد، نیشاپور، مرو، وغیرہ مال بھیجتے تھے اور وہاں سے مال منگواتے تھے۔

## خز کی دکان

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:۔

امام ابوحنیفہؒ خود کپڑے کے تاجر تھے ان کی دکان عمرو بن حریث کی کوٹھی میں عام طور پر مشہور و معروف تھی۔

اولاً لفظ معروف ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشہور دکان تھی لیکن آگے عمرو بن حریث کے دار کا جو حوالہ دیا گیا ہے پہلے تو دار کے لفظ سے جو وہی مفہوم سمجھا جاتے جو اردو میں گھر سے سمجھا جاتا ہے۔ تو عربی کی اصطلاح سے یہ ناواقفیت کا نتیجہ ہو گا۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے۔

دار اس میدان کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف احاطہ ہوتا ہے اسی احاطہ میں مکانات، اصطبل، صحن جس پر چھت نہ ہو اور دوسری منزل وغیرہ والی عمارت ہوتی ہے۔

یعنی در اصل الدار اس پورے احاطہ کی تعبیر ہوتی ہے۔ جسے اس زمانہ میں لوگ کمپونڈ وال کہتے ہیں۔ بعض ریاستوں مثلاً ٹونک اور رامپور وغیرہ میں "گھیر" کا لفظ الدار کا مترادف ہے۔ بیسیوں ایکڑ زمین کو یہ "گھیر" حاوی ہوتا ہے عمرو بن حریث کے اس دار کا اس کے طول و عرض اور غیر معمولی وسعت کی وجہ سے مورخین نے خصوصیت کے ساتھ تذکرہ بھی کیا ہے ابن سعد میں ہے۔ کہ:۔

عمرو بن حریث صحابی کوفہ پہنچے اور مسجد کے پہلو میں ایک حویلی تیار کی جو بہت بڑی تھی۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا یہ معمولی دار نہ تھا اور اس عبارت سے حضرت امام کی اس دکان کے محل وقوع کا بھی تعین ہو جاتا ہے یعنی کوفہ کی "المسجد" کے متصل یہ دکان تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حریث کے اس پورے "گھیر" میں خز بافی کا بھی کاروبار ہوتا تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ ابن سعد نے مذکورہ بالا الفاظ کے بعد لکھا ہے۔ کہ۔

اس دار میں خز باف اس وقت تک رہتے تھے۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ خز والوں کی ایک آبادی اس گھیر میں رہتی تھی۔ ممکن ہے کہ امام صاحب کی طرف سے بطور مزدوروں کے یہ لوگ اس گھیر میں خز بافی کا کام کرتے ہوں ایسی صورت میں گویا سمجھنا چاہیئے کہ حضرت امام نے یہاں خز بافی کا کوئی کارخانہ بھی کھول رکھا تھا یا ہو سکتا ہے کہ انفرادی طور پر خز بنانے والے اس گھر میں آباد ہوں اور ان ہی سے خرید خرید کر امام صاحب ان کی مصنوعات کو فروخت کرتے ہوں احتمال دونوں کا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خز باف باہر سے امام کی دکان پر مال فروخت کرنے کے لیے لایا کرتے تھے۔ اور ایک ایک دفعہ میں کبھی کبھی آٹھ آٹھ ہزار درہم کے کپڑے ایک آدمی سے خریدے جاتے تھے۔ بلکہ خیال ہے کہ جامع المسانید میں ابوبکر بن عیاش کے حوالے سے یہ قصہ جو نقل کیا گیا ہے کہ امام صاحبؒ کو حکومت کی طرف سے سزا اس لیے دی گئی کہ۔

ان سے خواہش کی گئی تھی کہ خز بافوں کے عریف (نمبرداری) کا عہدہ قبول کریں اور انہوں نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خز بافوں کا ایک بڑا گروہ حضرت امام سے تعلق رکھتا تھا خواہ ان کا تعلق یہ ہو کہ آپ کے کارخانے میں کام کرتے ہوں یا کپڑے تیار کر کے آپ کی دکان میں فروخت کے لیے لاتے ہوں۔ کیونکہ کسی جماعت کی عرافت (نمائندگی) عموماً اسی شخص کو ملتی ہے جو اس کے تابع ہو۔

امام صاحب کی ایک بہت بڑی کوٹھی تھی جس میں خز بنایا جاتا تھا اور امام کے پاس خز باف تھے جس سے ثابت ہوا کہ امام کے پاس خز بافی کا بہت بڑا کارخانہ بھی تھا۔

## کوفہ کی سب سے بڑی خز کی دکان

بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ امام کا یہ کاروبار قطعی وسیع اور عظیم کاروبار تھا۔ عام طور پر یہ بات اس زمانہ میں تسلیم کی جاتی ہے کہ کوفہ جیسے شہر جس کی آبادی امام کے زمانہ میں لاکھوں سے کم نہ ہوگی سب سے بڑی خز کی دکان امام ہی کی ہے۔ خز کی بڑھیا سے بڑھیا قسم جو سارے شہر میں میسر نہیں آسکتی تھی وہ حضرت امام کی دکان پر مل جاتی تھی۔ ابن خشنام کی جس روایت کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے اس کے ان الفاظ کا یعنی امام کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ کہ

امام خز کے تاجر تھے اور خز کی خرید و فروخت میں انتہائی تلاش و جستجو اور وقت شناسی سے کام لیتے تھے۔

یہی مطلب ہے کہ خز کی بہترین قسموں کے مہیا کرنے میں پوری وقت نظری اور انتہائی تلاش و جستجو سے کام لیتے تھے کیونکہ اس کے بعد یہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی

فکر و نظر

ایک دردمند مسلمان کے قلم سے

# ملتِ پاک اتحاد و یکجہتی کے ذریعے ہی کامیاب ہو سکتی ہے

## قادیانی حضرات گروہی تعصب ختم کریں

ٹھیک ہے اتحاد بڑی قوت ہے اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً اہلِ پاکستان کے لیے شدید ضرورت، مگر اتحاد کا واسطہ اگر ان لوگوں کی طرف سے یا ان لوگوں کے لیے دلایا جائے جنہوں نے خود ہی پہل کر کے پوری ملت کی تکفیر و توہین کی چھریوں سے اتحاد کی ایک ایک ڈوری کو کاٹا ہو۔ اور جنہوں نے نئی نبوت کے نشے میں بہک کر اپنے گرد علیحدگی کی فصیل نفرت کے مسالے سے کھڑی کی ہو، تو پھر اتحاد کا واسطہ بے حد بے تکا محسوس ہوتا ہے۔

ہم مسلمانوں کے اتحاد کا وسیلۂ اول اگر خدائے واحد پر ایمان ہے تو وسیلۂ ثانی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی عقیدت، محبت اور اطاعت کا رشتہ استوار کرنے پر ہے کہ پھر نہ کسی اور درگاہ کی طرف نگاہ اٹھے اور نہ کسی اور ذریعہ ہدایت و وسیلۂ نجات کا انتظار باقی رہے۔ اب اگر کوئی شخص یا گروہ ہمارے اتحاد کی ان دو بڑی بنیادوں میں سے کسی میں رخنہ اندازی کرتا ہے تو وہ فی الحقیقت افتراق کی مہم شروع کرتا ہے، اس مہم کا عوام ملت میں ردِ عمل پیدا ہونے پر اگر اس کی طرف سے اتحاد کے نام پر یہ چاہا جائے کہ اس کی مخالفت نہ کی جائے اور اسے بھائیوں کی طرح گلے سے لگایا جائے تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم آپ اس نقب زن کو گلے لگالیں جو ہمارے گھر کی دیوار توڑنے میں مصروف ہو۔

کسی گروہ کا اقلیت قرار پانا مانعِ اتحاد کیسے ہوا آخر پاکستان میں عیسائی اور ہندو بھی آباد ہیں۔ اور وہ ملکی اور وطنی دائرے میں اکثریت کے ساتھ اتحاد کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اس طرح اگر قادیانی گروہ کو اس کی اپنی ہی علیحدگی پسندی اور ملتِ اسلامیہ سے نفرت اور جداگانہ مذہبی اور معاشرتی جتھابندی کی بنا پر ایک اقلیتی گروہ قرار دے دیا جائے۔ اور اس حیثیت سے اس کے شرکاء کے جملہ حقوق کی ضمانت دی جائے تو اس صورت میں ملکی سطح پر اتحاد کا دروازہ کیوں بند ہو جاتا ہے۔

ہاں وہ اتحاد جس پر ملتِ اسلامیہ کا وجود کھڑا ہوتا ہے اس کا دروازہ خود قادیانی گروہ کے پیشوا اور اس کی تعلیمات پر ایمان لانے والوں نے اپنے لیے بند کر دیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت پر حملہ کیا جائے جب ادعائے نبوت پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر اور کتوں اور سؤروں کے برابر قرار دیا جائے جب تمام مخالف علماء کو طوائفوں کی حرام اولاد قرار دیا جائے۔ جب غیر قادیانی مسلمانوں سے مسجدیں، نمازیں، اور شادی، بیاہ کے معاملات الگ کر لیے جائیں اور ان کے معصوم بچوں کے جنازے تک پڑھنے کو قادیانی مذہب کی رو سے ناجائز قرار دیا جائے اور جب غیر قادیانی مسلم اکثریت کے اقتصادی ذرائع و وسائل اور اس کے حکومتی مناصب اور ملازمتوں پر باقاعدہ منصوبے کے تحت قبضہ کر کے اپنی حکومت چلانے کی پیشگوئیاں کی جائیں اور اپنے آنے والے دورِ اقتدار کا تصور دلا کر اکثریت کو دھمکایا جائے تو پھر جس ملت سے اس طرح جنگ لڑی جا رہی ہو اس سے اتحاد کیسے قائم ہو سکتا ہے اتحاد کی راہ تو یہی رہ جاتی ہے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دے کر ان کو ان کی حدود میں رکھا جائے۔

قادیانیوں کو ملتِ اسلامیہ کے تمام فرقے (خواہ ان میں کیسے ہی باہمی اختلافات ہوں) بالاتفاق کامل دائرہ ملت سے باہر کا گروہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ قضیہ کسی ایک فرقے کے خلاف دوسرے فرقے کے اختلاف پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک امت دوسری امت سے اصولی بُعد رکھتی ہے جو گزشتہ پون صدی میں مسلسل بڑھتا ہی رہا ہے۔ یہ امر واقعہ جب آنکھوں کے سامنے موجود ہے تو اسے سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے اور اس کے حل کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ موثر نہیں ہے۔

کوئی ذی شعور مسلمان اس نہج پر سوچ نہیں سکتا کہ قادیانیوں کے خلاف اشتعال پیدا ہو، اگرچہ خود قادیانیوں کی سرگرمیاں عوام میں مسلسل جذباتی ہیجان پیدا کرتی ہیں، ان کے جان و مال کو ذرا بھی ضرر پہنچے اور اس مقصد کے لیے قادیانیوں کا اقلیت قرار دیا جانا خود ان کے حق میں ذریعہ تحفظ ہے اور مسلم عوام کے اضطرابِ مسلسل کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک یہ بات کہی گئی ہے کہ مرزا صاحب نے جو دعوائے نبوت کیا تھا اور اس دعوے پر جو باتیں مبنی تھیں اب ان کے پیروکار اس پوزیشن کو چھوڑ چکے ہیں اگر ایسا ہو تو پھر ضروری ہے کہ:

۱۔ قادیانی گروہ کے ذمہ داروں کی طرف سے واضح طور پر یہ غیر مبہم اعلان ہونا چاہیے کہ مرزا صاحب کے وہ تمام اقوال اور تحریریں جس میں انہوں نے ختم نبوت کے عقیدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور دعوائے نبوت کیا ہے یا اپنے لیے کوئی ایسا منصب تجویز کیا ہے جس میں ایمان لانا، نجاتِ اخروی کے لیے نبوت کی طرح ضروری ہو۔ وہ خلافِ اسلام ہیں اور ہم ان سے تبری کرتے ہیں۔

۲۔ مذکرہ اعلان سے ایک سوال از خود پیدا ہوگا جسے قادیانی اکابر ہی کو حل کرنا ہوگا۔ وہ یہ کہ جس طرح کسی سچے نبی کی نبوت کا انکار کفر ہے اسی طرح کسی غیر نبی کی طرف سے دعوائے نبوت صادر ہوتا اور اس دعوے کو تسلیم کیا جانا بھی کفر ہے لہٰذا یہ واضح کیا جانا چاہیے کہ مرزا صاحب نے نبوت کے جو دعاوی بااصرار اور بہ شد و مد اور بہ صراحت و وضاحت کیے ہیں ان کو غیر موجود تو قرار نہیں دیا جا سکتا اور جب وہ موجود ہیں تو خود مرزا صاحب کی حیثیت کیا قرار پاتی ہے؟ اور کیا ادعائے نبوت کا ارتکاب کرنے والے کسی شخص کو کسی بھی درجے میں مذہبی پیشوا بنایا جا سکتا ہے؟

۳۔ قادیانی اکابر کو اعلانِ عام کے ساتھ اپنی جماعت سے وہ تمام پابندیاں اٹھا لینی چاہئیں جو عام مسلمانوں سے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں مقاطعہ اور منافرت کا باعث بنی ہیں؛ نیز جتھابندی کے ذریعے عہدوں اور اقتصادی مفاد پر قبضہ کر کے مسلمانوں کے خلاف محاذ بنانے اور اس محاذ کے ذریعے ان پر غیر مرئی حکومت (INVISIBLE GOVERNMENT) قائم کرنے کے منصوبوں کو ترک کرنے کا اعلان کر کے اپنی جماعت کے لوگوں کو ہدایات جاری کر دینی چاہئیں کہ وہ اپنے گروہی تعصب اور قادیانی اور غیر قادیانی کے امتیاز کو ختم کر کے ملت و وطن کے مفاد کے لیے قوانین و ضوابط کے مطابق کام کریں۔

بہر حال یہ معاملہ چھوٹا سا نہیں ہے کہ یہ محض ایسی گول مول باتوں سے حل ہو جائے کہ مرزا صاحب کے پیروان کے موقف کے اب قائل نہیں رہے۔

اگر پُرخلوص اور مستند طریق سے یہ گروہ مرزا صاحب کے ادعائے نبوت کے موقف اور متعلقہ اقوال اور تحریروں کی بلا تاویل تردید کر دے اور اس تبدیلیٔ مسلک کے تقاضے پورے کر دکھائے تو جھگڑا ختم ہو سکتا ہے۔ (نوائے وقت ۱۸ر اگست ۷۳ء)

---

## بقیہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ

مدینہ منورہ سے مختلف قسم کی چیزیں خریدنے کے لیے آیا تھا۔ اسی سلسلہ میں خاص قسم کی خز کی بھی اسے تلاش تھی۔ لوگوں سے جب اس نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا تو اسے اطلاع دی گئی کہ۔

تم اس قسم کی خز نہیں پا سکتے ہو مگر ایک فقیہ کے پاس جو یہاں خز کی دکان کرتا ہے جسے لوگ ابو حنیفہ کہتے ہیں۔

بلکہ اس کے بعد امام رحمۃ اللہ علیہ کی دکان میں بکری کا جو خاص طریقہ تھا اس کا اظہار بھی اسی مدنی مسافر کو فہ والوں نے ان الفاظ میں کیا۔

جب اس کے حانوت اشاپ میں تم جاؤ اور مطلوبہ شے تم نکلواؤ تو جو بھاؤ اس کا بتایا جائے اسی قیمت پر خرید لینا، جو قیمت تمہیں بتائی جائے اسے قبول کر لینا۔

# خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد اکرم لدھیانوی منڈی حاصل پور

وفات سے قبل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرے بیٹے کو خلیفہ نہ بنانا۔ بنی عدی میں سے ایک آدمی ہی اللہ تعالےٰ کے سامنے جواب دہی کے لیے کافی ہے۔ لیکن اس سے بہت پہلے آپ نے ایک پیش گوئی کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا میری اولاد میں سے ایک ایسا شخص ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا اور وہ سچائی اور انصاف سے دنیا کو ایسا ہی بھر دے گا جیسا وہ اس وقت ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ کاش میں اس دا غدار بیٹے کا زمانہ پاؤں۔

خلافتِ راشدہ کے بعد جمہوری حکومت کی جگہ شخصی حکومت نے لے لی۔ مسلمانوں کو طرح طرح کے فتنوں سے دوچار ہونا پڑا اور لوگ فاروقی دور کے عدل و انصاف کو یاد کرنے لگے۔ حضرت بلال بن عبداللہ بن عمرؓ کے چہرے پر ایک داغ تھا لوگوں نے خیال کیا کہ شاید بشارتِ فاروقی اس کے متعلق ہو۔ لیکن یہ بشارت حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا مقدر بن چکی تھی۔

## پیدائش

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں یزید کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ام عاصم حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عاصم کی بیٹی تھیں۔ آپ کے والد عبدالعزیز مصر کے والی تھے۔ عبدالعزیز نے ۲۱ سال مصر پر حکومت کر کے ۸۵ھ میں وفات پائی۔

## تعلیم و تربیت

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کے پاکیزہ ماحول میں وقت گذارا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے زیر سرپرستی تعلیم و تربیت پائی۔ حضرت صالح بن کیسان اتالیق مقرر ہوئے۔ آپ نے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد دینی علوم صحابہ رسولؐ اور دیگر علماء سے حاصل کیے۔ علم حدیث زیادہ تر حضرت عبیداللہ ابن عبداللہؓ سے حاصل کیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور عربی ادب میں کمال پیدا کیا۔

## جوانی

والد کی وفات پر آپ کے چچا عبدالملک بن مروان نے اپنے پاس بلا لیا۔ اپنی بیٹی فاطمہ سے شادی کر دی۔ اور خناصرہ کا والی مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد عبدالملک کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے آپ کو مدینہ منورہ کا والی مقرر کر دیا۔ مدینہ منورہ کی ولایت کے دوران آپ نے مسجد نبوی کی توسیع کرائی۔ تعمیر کا کام ۸۸ھ سے شروع ہو کر ۹۰ھ میں ختم ہوا۔

۹۶ھ میں ولید کا انتقال ہو گیا اور سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا اور اس نے آپ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر لیا۔ ۹۹ھ میں سلیمان بیمار ہوا تو رجاء بن حیوہ کے مشورہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کیا۔

## خلافت

سلیمان کو یہ خطرہ تھا کہ شاید اس کے بھائی عمر کی خلافت کو تسلیم نہ کریں۔ لہٰذا اس نے عمر بن عبدالعزیز کی ولایت کا وصیت نامہ لکھ کر سر بمہر کر دیا۔ اور اس سر بمہر فرمان پر لوگوں سے بیعت لی۔ سلیمان کی وفات پر رجاء بن حیوہ نے بنی امیہ کے بڑے بڑے لوگوں اور فوج کے سرداروں کو مسجد میں جمع کیا۔ جب سب آ گئے تو سلیمان کی وفات کا اعلان کیا۔ اور مہر شدہ لفافہ کھول کر اس پر بیعت لی۔ تمام لوگوں نے عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ پر بیعت کی۔

## احساسِ ذمہ داری

حضرت عمر سلیمان کے کفن دفن کے بعد واپس ہوئے تو نئے خلیفہ کی سواری کے لیے شاہی گھوڑے پیش کیے گئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے سوار ہونے سے انکار کر دیا اور فرمایا "میرا خچر میرے لیے کافی ہے" اسی طرح جب خلیفہ کی سواری چلی تو پولیس افسر نیزہ تانے آگے چلنے لگا تو فرمایا۔ "تمہیں رخصت ہے میں بھی مسلمانوں کی طرح ایک عام آدمی ہوں"۔

سلیمان کے جنازے سے فارغ ہو کر گھر آئے تو بیوی نے دیکھا۔ داڑھی آنسوؤں سے تر ہے گھبرا کر بولیں "خیریت تو ہے؟" فرمایا "خیریت کہاں ہے؟ میرے سر پر ساری امت کا بوجھ آن پڑا ہے۔ امت میں آج ننگے، بھوکے، بیمار، مظلوم، مسافر، قیدی، بچے، بوڑھے اور غریب عیالدار لوگ موجود ہیں ان سب کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے۔ قیامت کے دن ان کے بارے میں سوال ہوا تو کیا جواب دوں گا؟"

## خطبہ

گھر سے نکل کر آپ مسجد میں آئے اور لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا۔

"لوگو! مجھ سے پوچھے بغیر، میری خواہش کے بغیر اور عام مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر مجھ پر حکومت کا بار ڈال دیا گیا ہے تمہاری گردنوں میں بیعت کا جو پھندا ڈال دیا گیا ہے میں خود تمہیں اس سے آزاد کرتا ہوں۔ اپنی خوشی سے جس کو چاہو خلیفہ بنا لو"۔

اس پر ہر طرف سے شور بلند ہوا ہم آپ کو خلیفہ چنتے ہیں اور آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:۔

"قرآن مجید آخری کتاب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام نافذ کروں گا۔ نیا قانون بنانے والا نہیں ہوں۔ جو شخص خدا کا قانون مانے اس کا حکم ماننا واجب ہے۔ جو خدا کا حکم نہ مانے اس کا حکم ماننا جائز نہیں"۔

## انقلابی اقدام

بنو امیہ نے غلط طریقوں سے جو دولت سمیٹ رکھی تھی وہ ان سے واپس لے کر جائز حقداروں کو دے دی اور اس کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ بیت المال کی آمدنی بنو امیہ کے بجائے عوام پر خرچ ہونے لگی۔ نومسلموں سے جزیہ اور خراج موقوف کر دیا۔ جس سے غیر مسلم کثیر تعداد میں مسلمان ہونے لگے۔ احادیث رسولؐ کی اشاعت کا انتظام کیا۔ دینی علوم کی تعلیم کے مراکز قائم کیے۔ ملک کے مختلف حصوں میں علماء مقرر کیے۔ شریعت اسلامی کا نفاذ کیا۔ سنت کا احیاء اور بدعت کا قلع قمع کیا۔ شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ نماز اور دیگر اسلامی امور کی انجام دہی لازمی قرار دے دی گئی۔

## وفات

بنو امیہ کے شہزادے اپنی عیش و عشرت ختم ہونے سے تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے آپ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور ہر ممکن طریق سے آپ کو ان انقلابی اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ جب وہ اپنے منصوبوں میں بری طرح ناکام ہو گئے تو آخری حربہ کے طور پر آپ کے غلام کے ذریعے زہر دلوا دیا۔ جلد ہی زہر اثر کر گیا۔ اور آپ ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو دو برس پانچ ماہ چار دن کی خلافت کے بعد انتالیس برس کی عمر میں

# مراسلات

## فیملی پلاننگ ختم کرو

## کارخانے قائم کرو

## بے روزگاری سے نجات دلاؤ

انجمن اصلاح نوجوانان اسلام کے صدر مولوی فقیر محمد نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ (خاندانی منصوبہ بندی) محکمہ پاپولیشن پلاننگ کو عوامی مفاد کے پیش نظر ختم کر کے اس پر خرچ ہونے والی رقم سے صنعتی ادارے قائم کیے جائیں۔ اور بے روزگاری ختم کرنے کے لیے ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں۔ ایک بیان میں انہوں نے کہا ہے کہ سابقہ محکمہ خاندانی منصوبہ بندی کی نا اہلی اور خلاف اسلام ہونے کی وجہ سے پاکستان میں آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور کروڑوں روپے ضائع ہو گئے ہیں۔ اب حکومت نے اس محکمہ کا نام بدل کر "پاپولیشن پلاننگ" رکھ دیا ہے۔ پھر بھی لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوں گے کیونکہ وہ فطرتاً اس فعل کو خلاف اسلام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت خاندانی منصوبہ بندی کے بالکل خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ دوسری طرف سینماؤں میں لوگوں کو عریاں فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور ریڈیو پر فحش فلمی گانے اور ٹیلی ویژن پر مخرب اخلاق پروگرام نشر کیے جا رہے ہیں۔ مزید برآں برہنہ اور نیم برہنہ تصاویر اور جنسی عشق و محبت سے بھرپور مضامین والے رسالے شائع ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے نئی پود اور عوام کے سفلی جذبات برانگیخت کیے جا رہے ہیں اور عریانی، فحاشی پھیلائی جا رہی ہے سینماؤں میں سستی تفریح کے نام پر برہنہ فلموں کی نمائش کر کے لوگوں کو بے حیائی کی طرف راغب کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح (خاندانی منصوبہ بندی) پاپولیشن پلاننگ کی ادویات وغیرہ سے بے حیائی میں اضافہ ہوا ہے۔ اور کلبیں، ڈانس گھر، رقص و سرود کی محفلیں، مخلوط اجتماعات اور عریاں و نیم عریاں لباس بھی قوم کو بے راہروی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اگر اس کی فوری روک تھام نہ کی گئی تو بے حیائی و فواحش کا ایک سیلاب امڈ آئے گا۔ جس کے آگے بند باندھنا مشکل ہو گا۔

انہوں نے کہا کہ خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب یہ ہے کہ اتنی اولاد پیدا کی جائے جتنی خاندان کے برداشت کر سکیں۔ اس کے صاف یہ معنی ہوتے کہ اولاد پیدا کرنا انسان کے اپنے بس میں ہے حالانکہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اس کا اپنا اعلان ہے کہ "آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے لڑکے بخشتا ہے یا لڑکے لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ قدرت والا خبردار ہے"۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں "اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اس کی روزی اللہ پر ہے اور جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں وہ سونپا جاتا ہے سب کچھ واضح کتاب میں ہے"۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ اعلان کرتے ہیں۔ "اور تنگدستی کے سبب سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم تمہیں اور انہیں رزق دیں گے"۔

دوسری آیت میں ہے:-

"اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے"۔

مولوی فقیر محمد نے کہا کہ ضبط تولید قتل اولاد کے مترادف ہے۔ اس تحریک کی حمایت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے رزاق ہونے کی صفت کو بالواسطہ نہیں بلکہ بلاواسطہ چیلنج کرتے ہیں کہ آپ صرف اتنی مخلوق کو روزی دے سکتے ہیں۔ اس لیے زائد کو روزی دینا آپ کے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے ہم اس سے زیادہ آپ کی مخلوق کو پیدا ہی نہیں ہونے دیں گے۔ اس سلسلہ میں حضور سرور کائنات خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی اور جو چیز مقدر میں ہے وہ تو خود ہی پیدا ہو گی۔ جو جان قیامت تک پیدا ہونے والی ہے وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گی۔

مولوی فقیر محمد نے کہا کہ فرعون نے جس بچہ کی خاطر لاکھوں بچوں کو قتل کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش شاہی محل میں کرائی۔ فرعون انہیں قتل کروانا چاہتا تھا لیکن تقدیر الٰہی غالب آئی۔ خاندانی منصوبہ بندی کے حامیوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ دوسری طرف بعض اوقات عورتیں جان بوجھ کر حمل کرانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوتی اسی طرح بعض مرد ضبط تولید کے لیے مغرب کے ایجاد کردہ آلات اور ادویات استعمال کرتے ہیں مگر حمل ہو کر رہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یورپ اور امریکہ والے خدا پرست نہیں مادہ پرست ہیں۔ دنیا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ آخرت کی زندگی ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے مگر بدقسمتی سے بعض ترقی پسند مسلمان بھی مغربی تہذیب کی پیروی کر رہے ہیں۔

مولوی فقیر محمد نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ خاندانی منصوبہ بندی معاشی مشکلات کا حل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کو ملک میں رائج کیا جائے۔ بیت المال قائم کیا جائے۔ زکوٰۃ اور صدقات کی فراہمی کا بندوبست حکومت خود کرے۔ ہر بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ عوام اور حکام کو اسلام کی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے قانوناً مجبور کیا جائے۔ سینماؤں کی تعمیر پر پابندی لگائی جائے اور تمام عریانی، فحاشی، بے حیائی پھیلانے والی تحریکوں کا خاتمہ کیا جائے اور اسلامی نظام ملک میں بلا تاخیر نافذ کیا جائے۔ ملک میں اسلامی لائبریریاں قائم کی جائیں۔ نوجوانوں کے کھیل کود کے لیے تفریح گاہیں تعمیر کی جائیں۔ قوم کو جہاد کی تیاری کے لیے فوجی تربیت لازمی قرار دی جائے مہنگائی اور بے روزگاری کا مکمل خاتمہ کیا جائے۔

## فلمی پوسٹروں کی اشاعت پر پابندی لگایئے

محترم المقام جناب ایڈیٹر صاحب ہفت روزہ خدام الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

قبل ازیں لاہور میں حاضری کے موقع پر بالمشافہ عرض کیا تھا کہ کاغذ کے غلط استعمال پر کنٹرول کے بارے میں چند سطور تحریر فرما کر حکومت کو توجہ دلائیں کہ فلموں کی تشہیر کے سلسلہ میں قدآدم پوسٹروں کی صورت میں کاغذ نہایت بے دردی سے ضائع کیا جا رہا ہے اول تو سینما ایک برائی ہے اور اس کی نشر و اشاعت بھی گناہ ہے۔ اس لیے سرے سے فلموں کی پبلسٹی ممنوع قرار دی جائے۔ خدام الدین جیسے دینی تبلیغی رسالہ کی ضروریات کے مطابق کاغذ کا کوٹا منظور کر کے اشاعت دین بڑھانے میں تعاون کرنے کی بجائے کوٹا میں کمی کر کے خدام الدین کی اشاعت میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش (سب کو معلوم ہے) لیکن فلمی اشتہارات اور سپیشل فلمی ایڈیشن چھاپنے والے رسائل جرائد اور اخبارات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ مغربی پاکستان میونسپل کمیٹیز سٹریٹ رولز ۱۹۶۲ء ملاحظہ فرمائیں اور حکومت کو توجہ دلائیں کہ اپنے جاری و منظور کردہ قوانین کا احترام بحال کرانے کی غرض سے مناسب کارروائی کرے۔

عبدالواحد بیگ مرحوم

بچوں کا صفحہ

# استاد اور شاگرد کے آداب

ماخوذ از کتاب بدایۃ الھدایۃ مؤلفہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ : از نور محمد مدرس جامعہ قاسمیہ احمد پور شرقیہ

اگر تو عالم ہے تو علم کے آداب سترہ ہیں :-

* اپنے اندر قوت برداشت پیدا کرنا۔
* حوصلہ کو لازم پکڑنا۔
* سر جھکا کر ہیبت اور وقار سے بیٹھنا۔
* سوائے ظالم کے کسی اور پر تکبر نہ کرنا البتہ ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے تکبر جائز ہے۔
* مجالس میں تواضع کو پسند کرنا۔
* ہنسی مذاق سے اجتناب کرنا۔
* طالب علم کے ساتھ الفت کرنا۔
* متکبر کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا اور کند ذہن کی اچھے طریقے سے اصلاح کرنا اور اس پر سختی نہ کرنا۔
* لا ادری کہنے سے نہ شرمانا (جو مسئلہ معلوم نہ ہو تو اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے)
* سائل کی طرف پوری توجہ کرنا۔
* اور اس کے سوال کو سمجھنا۔
* سفہات سے منہ موڑ کر حق کی پیروی کرنا۔
* طالب علم کو ہر اس علم سے روکنا جو اس کے لیے نقصان دہ ہو۔
* طالب علم کو اس بات سے منع کرنا کہ وہ دینی علوم حاصل کرتے وقت بجز رضائے الہٰی کے کسی اور چیز کی نیت کرے۔
* طالب علم کو اس بات سے بھی روکنا کہ وہ فرض عین ادا کرنے سے پہلے فرض کفایہ میں مشغول ہو جائے۔
* تقوے کے ساتھ طالب علم کے ظاہر اور باطن کی اصلاح کرنا۔
* اولاً اپنے نفس کو تقوے سے پیراستہ کرنا تاکہ طالب علم پہلے اس کے اعمال کی پیروی کرے پھر اس کے اقوال سے استفادہ حاصل کرے۔

## طلبہ کے آداب

طلبہ کے آداب اپنے استاذ کے ساتھ یہ ہیں کہ جب بھی استاذ سے ملاقات کرے تو سلام مسنون سے ابتدا کرے، اس کے سامنے گفتگو کم کرے۔ اس وقت تک کلام نہ کرے جب تک استاذ سوال نہ کرے۔ اگر سوال کرنا ہو تو پہلے اجازت طلب کرے پھر سوال کرے۔ استاذ کی بات کے مقابلہ میں یوں نہ کہے کہ فلاں کی رائے آپ کی بات کے خلاف ہے۔ استاذ کے سامنے کوئی ایسا اشارہ نہ کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ اپنے استاذ سے زیادہ صحیح علم رکھتا ہے استاذ کی مجلس میں اپنے ساتھی سے مشورہ نہ کرے استاذ کی مجلس میں ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ ادب اور خاموشی کے ساتھ اس طرح بیٹھے گویا کہ نماز میں ہے۔ استاذ اگر غمگین اور پریشان ہو تو اس کے پاس زیادہ نہ جائے۔ زیادہ گفتگو اور سوالات سے استاذ کو تنگ نہ کرے۔ اگر استاذ کھڑا ہو تو اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ راستہ میں استاذ سے کوئی سوال نہ کرے حتیٰ کہ وہ اپنی قیامگاہ تک پہنچ جائے۔ استاذ کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھے جو بظاہر درست نہ ہو تو بدگمانی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ اس کے رازوں کو زیادہ جانتا ہے۔ اور طالب علم کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرنا چاہیے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظاہر پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام کو فرمایا تھا۔

أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا (الآیہ)

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اعتراض حقیقت میں درست نہ تھا۔

## بچوں کی حاضر جوابی

حجاج ابن یوسف نے اپنے ملکی انتظامات کے سلسلہ میں ایک فرمان جاری کیا کہ گشت کے دوران رات گئے جو کوئی آوارہ گرد شخص ملے اس کو گرفتار کر لیا جائے اور گردن ماردی جائے۔

اتفاق کی بات ایک رات پولیس والوں نے ایسے تین لڑکے گرفتار کیے جن پر شراب نوشی کے اثرات تھے۔ تفتیش کے دوران ان تینوں لڑکوں سے پوچھا گیا کہ تم نے امیر المومنین کے فرمان کی خلاف ورزی کیوں کی؟

ان میں سے ایک لڑکے نے یہ شعر پڑھ کر اپنا تعارف کرایا ؎

أَنَا ابْنُ الَّذِي مَنْ دَانَتْ لَهُ الرِّقَابُ
مَا بَيْنَ مَخْذُومِهَا وَخَادِمِهَا

ترجمہ : میں ایسے شخص کا بیٹا ہوں کہ جس کے لیے لوگوں کی گردنیں مسخر و مطیع ہیں خواہ وہ خادم ہوں یا مخدوم۔

مَا تَنْثَنِي بِالرَّغْمِ وَهِيَ صَاغِرَةٌ
يَأْخُذُ مِنْ مَالِهَا وَدَمِهَا

ترجمہ : طوعاً و کرھاً (مجبوراً) انتہائی ذلت کے ساتھ آگے جھکتی ہیں۔ اور وہ ان سے مال بھی لیتا ہے اور خون بھی۔

اس لڑکے کی یہ گفتگو سن کر پہرے دار اس کے قتل سے باز رہے کہ یہ شاید خلیفہ کے رشتہ داروں میں سے ہے۔

دوسرے لڑکے سے پوچھا تو اس نے کہا :

أَنَا ابْنُ الَّذِي لَا يَنْزِلُ الدَّهْرَ قِدْرُهُ
وَإِنْ نَزَلَتْ يَوْمًا فَسَوْفَ تَعُودُ

ترجمہ : میں اس شخص کا بیٹا ہوں کہ پوری دنیا اس کی ناقدری نہیں کرتی۔ اگر اتفاقاً کبھی اس کی نوبت آجاتی ہے تو فوراً ہی اس کی مکافات کر دیتی ہے ؎

تَرَى النَّاسَ أَفْوَاجًا إِلَى ضَوْءِ نَارِهِ
فَمِنْهُمْ قِيَامٌ حَوْلَهَا وَقُعُودُ

ترجمہ : تم لوگوں کو جوق در جوق اس کی روشنی کی طرف جاتے ہوئے دیکھو گے ان میں سے کچھ لوگ اس کے پاس کھڑے ہیں اور کچھ بیٹھے ہیں۔

پہرے داروں نے اس کے قتل سے بھی ہاتھ روک لیا کہ غالباً یہ عرب کے کسی اعلیٰ خاندان کا چشم و چراغ ہوگا۔

پھر تیسرے لڑکے کی باری آئی تو اس نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا ؎

أَنَا ابْنُ الَّذِي خَاضَ الصُّفُوفَ بِعَزْمِهِ
وَقَوَّمَهَا بِالسَّيْفِ حَتَّى اسْتَقَامَتِ

ترجمہ : میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو پختہ ارادہ کے ساتھ صفوں میں گھس جاتا ہے اور ان کو تلوار کے ذریعہ سیدھا کر دیتا ہے ؎

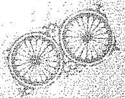
رِكَابَاهُ لَا تَنْفَكُّ رِجْلَاهُ مِنْهُمَا
إِذَا الْخَيْلُ يَوْمَ الْكَرِيهَةِ وَلَّتِ

ترجمہ : ہمیشہ سوار رہتا ہے کہ اس کے پاؤں رکاب سے جدا ہی نہیں ہوتے جبکہ میدان جنگ میں لوگوں کے گھوڑے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

پہرے دار اس بچے کے قتل سے بھی باز رہے اس خیال سے کہ شاید یہ کسی پہلوان یا بہادر قبیلہ کا بچہ ہوگا۔

صبح کو ان تینوں کا مقدمہ امیر المسلمین کے سامنے پیش ہوا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ پہلا بچہ سینگی لگانے والے کا ہے اور دوسرا ڈوم (میراثی) کا۔

اور تیسرا خود بوجھو۔



خدام الدین کی تاریخی پیشکش

# مدنی نمبر

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کی دینی، علمی، قومی اور سیاسی خدمات کے اعتراف میں ادارہ خدام الدین نے جس تاریخی نمبر کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے خداوند قدوس کے فضل و کرم سے اس کی کتابت کا کام قریباً مکمل ہو چکا ہے۔ آئندہ شمارہ میں تفصیلی معلومات اور تاریخ اشاعت کا اعلان ملاحظہ فرمائیے **خدام الدین** کے سالانہ ممبر کیلئے جن حضرات نے رقم جمع نہیں کرائی ہے وہ دفتر میں جمع کرا دیں اور اپنے حلقہ اثر میں اس پرچے کی توسیع کی بھرپور کوشش کریں۔ —— (ادارہ)

## بقیہ: خلیفہ راشد

اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

**عہد زریں** آپ کا اڑھائی سالہ دور خلافت عدل و انصاف کا دور کہلاتا ہے علماء اسلام نے آپ کو پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے۔ آپ کے دور میں اسلامی پرچم تین براعظموں پر لہرا رہا تھا۔ لیکن امن و امان [illegible] تھا کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پا[illegible] [illegible] و انصاف کی یہ حالت تھی کہ ایک [illegible] مجرم اور لشکر اسلام کا سپہ سالار خلیفۃ المسلمین کا چچیرا بھائی عدالت کے کٹہرے میں برابر کھڑے ہوتے ہیں۔ عوام کی معاشی حالت اس قدر بلند تھی کہ پوری سلطنت میں ایک بھی غریب نہ تھا اور ڈھونڈنے سے [illegible] زکوٰۃ نہیں ملتا تھا۔ لوگوں کا اخلاق انتہائی بلند تھا

آپ نے دینی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ اور ثابت کر دکھایا کہ اسلام کے زریں اصول دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح کے ضامن ہیں اور اڑھائی سال کے مختصر عرصہ میں انقلاب عظیم پیدا کر کے ثابت کر دیا کہ جو حکمران صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر دل [illegible] رکھتا ہو ہر طرح کی برائیاں ختم کر کے ایک مختصر عرصہ میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ آج کے حکمران بھی حضرت عمر ثانی رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

## بقیہ: حضرت شاہ ولی اللہ رح

سمجھی جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ قرآن فہمی کی جس دولت سے محروم تھے اپنی زبان میں سمجھے اور سمجھ کر عمل کرنے لگے۔ کروڑوں انسان فلاح پا گئے۔ خدائے پاک کو آپ کی یہ ادا کچھ ایسی بھائی کہ خدا نے آپ کو زمانہ بھر میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام سے مشہور کر دیا۔ آپ مسلمانوں کے ہر گروہ میں مقبول ہیں اور ہر جماعت میں عزت و عظمت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔

دوسرا بڑا کام یہ کیا کہ آپ نے انقلاب قرآن کا جذبہ اپنے شیدائیوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا آپ کے شیدائی توحید پرستی سے سرشار تھے۔ وہ کفر سے برسر پیکار رہے اور آخرکار بالاکوٹ کے مقام پر کفر سے برسر پیکار رہتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔ اور آج تاریخ بانگ دہل بتا رہی ہے کہ ع

"گردن کٹی مگر جھکی تو نہیں"

توحید پرستی کی اشاعت اور پرچار نے جس کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں آئے تھے آپ کے نام کو اور بھی چار چاند لگا دیے

آپ فرمایا کرتے تھے:۔

"نیست ممکن جز بقرآں زیستن"

وہ زندگی جو قرآن سے خالی ہوتی ہے زندگی نہیں ہوتی۔ کانٹوں کی سیج ہوتی ہے۔ اس میں چین نہیں ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:۔

"جب سے مسلمان نے قرآن چھوڑا ہے تب سے وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن پاک کو اپنایا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازے"

**اولاد** آپ کے چار بیٹے تھے اور سب علم کے روشن ستارے۔ ان میں سے دو یعنی شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ دہلوی کی اتباع میں قرآن پاک کے ترجمے اردو میں لکھے۔ اور اس طرح قرآن پاک کو عام فہم بنانے کی بھرپور کوشش کی ان کے ترجمے مستند ہیں اور بڑی قدر کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔

## بقیہ: حضرت زبیر رض

بالآخر چونسٹھ برس کی عمر پا کر ۳۶ھ میں ابن جرموز کی [illegible] اور بدعہدی سے جام شہادت نوش کر گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

شہادت کے بعد جناب مرتضیٰ رض کے حضور میں حضرت زبیر کی تلوار پیش کی گئی تو انہوں نے حسرت کی نظر ڈالی اور فرمایا —— اس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصیبتوں کے بادل ہٹائے ہیں۔ اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیرا منتظر ہے۔

## "پاکستان میں علم الحدیث"

مندرجہ بالا موضوع پر میں نے ایک کتاب لکھنی شروع کی ہے۔ اس کے لیے مجھے پاکستان کے اسلامی مدرسوں میں احادیث پڑھانے والے اساتذہ کے نام و مختصر حالات زندگی کی ضرورت ہے اس لیے متعلقہ حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں یہ معلومات بپتہ ذیل فراہم کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ شکریہ۔

سید عطاء اللہ کاخیل ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول [illegible] پشاور